

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

رسالہ

جَامِعَہ احمدیّہ

قادیان

ایڈیٹر

ظفر محمدؐ (مولوی فاضل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قواعد

۱۔ یہ رسالہ ہر تین ماہ کے بعد قادیان سے شائع ہوتا ہے ۔

۲۔ علمی ادبی اخلاقی تاریخی اور مذہبی مضامین درج کئے جاتے ہیں ۔

۳۔ قیمت سالانہ عوام سے ایک روپیہ آٹھ آنے معاونین سے تین روپے سرپرستان سے پانچ روپے اور نمونہ پانچ آنہ ہے ۔

۴۔ تاریخ اشاعت سے ۲۰ یوم تک اگر رسالہ موصول نہ ہو تو اطلاع آنے پر رسالہ مکرراً ارسال کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں قیمتاً بھیجا جائیگا ۔

۵۔ اس کا حجم کم از کم ۶۸ صفحے ہوتا ہے ۔

۶۔ جواب طلب امور کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے

۷۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر جو لفافہ پر درج ہوتا ہے ضرور لکھیئے ۔

۸۔ منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ تحریر کیجیئے ۔

۹۔ ترسیل زر اور ہر قسم کی خط و کتابت بابت رسالہ مندرجہ ذیل پتہ پر ہونی چاہیئے :۔

مینیجر رسالہ "جامعہ احمدیہ" قادیان

فہرست مضامین رسالہ جامعہ احمدیہ قادیان دار الامان

حصۂ عربی

شذرات

آج ہندوستان سیاسیات کی پیچیدہ گتھیوں میں اُلجھا ہوا ہے۔ اور آزادی کے لئے اپنی بے قراری کا بہت کچھ اظہار کرنے کے بعد ہلکورے لے رہا ہے۔ آزادی کی خاطر اس نے اپنی تجارت تباہ کر دی۔ اخلاق اور روحانیت کو خیرباد کہہ دیا۔ اپنی دیگر جملہ ترقیوں کو برسوں پیچھے ڈال دینے کے لئے وہ تیار ہے۔ مگر گوہر مقصود ابھی اسے نصیب نہیں ہُوا اور نہ ابھی اس کے کچھ زیادہ آثار ہیں۔

اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہے۔ کہ ہندوستان کی آزادی اس کی قوموں کے باہمی اتحاد اور یک آہنگی میں مضمر ہے۔ اور اس کے بغیر قوت مسلّطہ کے حاکمانہ اقتدار کو زائل نہیں کر سکتے۔ اور بے اعتمادی اور بے اعتباری کے خیالات کو سے کر تکمیل یافتہ ذہنیتوں نے ہندوستان میں ابھی یہ حالت پیدا نہیں ہونے دی۔ کہ متحدہ محاذ سے پوری قوت کے ساتھ اپنے مطالبات کو پیش کر سکے۔ اس لئے جب ہم اس لعنت سے آزاد ہو جائینگے۔ مذہبی عصبیت کے تشدد سے کچھ سبکدوشی حاصل کر کے منتشر و پراگندہ قوتوں کو متحد کر سکیں گے۔ تب ہندوستان کی کامیابی یقینی ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان جائز مطالبات کو ٹھکرا نہیں سکتی۔

(۲)

امریکہ کے ایک ڈاکٹر نے وہاں کے رسالہ میں ایک مضمون شائع کروایا ہے۔ کہ ہمیں اپنی اولاد کی تربیت کے ایسے قوانین دریافت کرنا چاہئیں۔ جن پر چل کر وہ "مکمل اور بہترین" انسان ثابت ہوں۔ لیکن غالباً وہ بے خبر ہوں گے۔ کہ اسلام کے احکام "بہترین اور مکمل انسان" بنانے کا واحد لائحہ ہیں۔ اور اسکی رُوح انسانیت کے بلند ترین معیار کا پیمانہ ہے۔ اور تربیت اولاد کے متعلق اس کی تعلیم کا کسی قدر بے حد مختصر نمونہ ہم اپنے رسالہ کے اس نمبر میں شائع کر رہے ہیں۔

(۳)

تعلیم قوموں کی ترقی کا مایۂ خمیر ہے۔ اور صحیح علمی مذاق پیدا کرنے اور اس کو ترقی دینے میں کتب خانوں کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ تمام متمدن ممالک نہایت سرگرمی سے اس طرف متوجہ ہیں لیکن "غوغا پسند" ہندوستان کی کوشش اس ٹھوس کام کے لئے بے حد مایوس کن ہے۔ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی ہندوستان کے سینکڑوں گمنام گوشے نادر کتابوں کے گرانقدر ذخیروں سے مالا مال ہیں۔ اس لئے کیا ہندوستان کے علمی حلقوں کی اس سلسلہ میں کوئی متحدہ کانفرنس مفید نہ ہو گی؟

(۴)

اس وقت ہمارے جامعہ کے ہر چہار درجوں میں ۸۱ طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور اس کا سالانہ بجٹ ۷۲۸۵ روپے کا ہے۔ گویا ہماری نظارت تعلیم جامعہ کے طلباء پر ۱۷۷ روپئے اٹھنی کس سالانہ خرچ کر رہی ہے۔ امسال ہمارے جامعہ سے ۱۸ طلباء مولوی فاضل کے امتحان میں شمولیت کے لئے گئے تھے جن میں سے چھ لڑکے کامیاب ہو سکے۔ گویا جبکہ بحیثیت مجموعی یونیورسٹی کا نتیجہ ۲۹ فیصدی تھا۔ تو ہمارے کالج کا نتیجہ ۳۳ فی صدی رہا۔

اور یہ امر بھی ہمارے لئے باعثِ مسرت ہے۔ کہ ہمارے ہی کالج کا لڑکا (عطاء الرحمٰن) یونیورسٹی کے اس امتحان میں ۱۷ ا نمبر لے کر اول رہا۔

(۵)

ایڈیٹر کیلئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ کہ شذرات میں رسالہ میں مندرج مضامین کے متعلق بھی لکھے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس سے زیادہ اور کیا بیکار بات ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ کہ وہ ایڈیٹر کی اپنی ذاتی رائے ہے۔

(۶)

گو کالجوں کے میگزینوں کے جاری رکھنے کی تمام تر ذمہ واری اس کے اپنے طلباء پر ہوتی ہے۔ لیکن یہ امر ہمارے لئے گونہ وجہ طمانیت ہے۔ کہ متعدد احباب کی سرگرم کوششیں باہر سے بھی بہت سے معاونین وخریدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہماری یہ سہ ماہی پہلے سے زیادہ امید افزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ تو آئندہ نمبر سالنامہ ہوگا۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ کہ ؎

ما بداں مقصد عالی نتوانیم رسید ؛ ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

(۷)

قادیان سے ایک اور سہ ماہی رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے۔ ہم خوش ہیں۔ کہ "جامعہ احمدیہ" اپنے "نمونہ" پر ایک اور رسالہ کے وجود کا باعث ہوا۔ طلباء ہائی سکول کی یہ کوشش قابلِ صد مبارکباد ہے۔ اور ہم دعا کرتے ہیں۔ کہ اس کا عہدِ خدمت رسالہ "تعلیم الاسلام" کی طرح چند سالہ ہی نہ ہو۔ اور کہ یہ جذبات کی عارضی کیفیت نہ ٹھہرے۔ بلکہ موجودہ سے زیادہ بہتر صورت میں اپنے سکول کی خدمت کیلئے لمبی فرصت پائے ؛

(۸)

رسالہ کے عملہ کی تجربہ کاری اس کی ترقی کی بہت حد تک ضامن ہوتی ہے۔ مگر غالباً کالجوں کے میگزینوں

کو کبھی یہ بات نصیب نہیں ہوتی۔ کہ وہ زیادہ دیر تک تجربہ کار ہاتھوں میں رہیں۔ ابھی مجلہ "جامعہ احمدیہ" اپنے بالکل ابتدائی منازل طے کر رہا ہے۔ اور ضرورت تھی۔ کہ زیادہ تجربہ کار ہاتھ اس کا انصرام کرتے۔ لیکن ابھی اس کے پہلے عملہ کو کچھ تجربہ حاصل ہونا شروع ہی ہوا تھا۔ کہ قلم ادارت و انتظام رسالہ پھر ہم ایسے مبتدیوں کے پاس چلا آیا؛

(۹)

ہمارے مکرم بھائی ملک فضل حسین صاحب مہاجر نے ایک کتاب "ہندو راج کے منصوبے" کے نام سے لکھی ہے۔ کہ جس میں آپ نے یہ بتلایا ہے۔ کہ ہندو کس طرح ہمیشہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سکیمیں بنا رہے ہیں۔ آپ نے اپنے دعویٰ کو بے شمار حوالہ جات کی روشنی میں پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ کتاب کی تصنیف کی غرض یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو بیدار کیا جاوے۔ اور بتلایا جاوے۔ کہ برادرانِ وطن تمہاری تباہی اور بیخکنی کے لئے کیا کیا تجاویز کر رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک موجودہ شورش میں یہ کتاب یقیناً مسلمانوں کے لئے دلیل راہ کا کام دے گی۔ ایک نسخہ کی قیمت ۶ر تین کی قیمت ایک روپیہ اور سَو کی ۲۰ روپیہ۔ بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان سے طلب کریں۔

(۱۰)

بعض دوستوں نے خریداری کیلئے اپنے نام لکھائے تھے۔ مگر ان کا چندہ تا حال وصول نہیں ہوا ہم ایفائے عہد کے منتظر ہیں؛

(۱۱)

ہم سے متعدد دوستوں نے استفسار کیا ہے۔ کہ "جامعہ" میں ادبی تحریریں کیوں نہیں شائع کی جاتیں ہم ایسے کرمفرماؤں کی خدمت میں باادب عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ٹھوس محققانہ ادبی مضامین کے شائع کرنے میں ہم نے کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ لیکن اگر ان کی مراد "نازِ لیلیٰ" اور "دیوانگیٔ مجنون" کے قصوں سے ہے۔ تو جہاں تک ہمارا رسالہ ان بیکار چیزوں سے خالی نظر آئے۔ اتنا ہی اچھا اور ہماری بہترین خوشیوں کا موجب ہوگا۔ کیونکہ ایسے مضامین "ذہنی دلچسپی" تو بے شک پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن ان سے بہترین اور کارآمد نتائج کے مرتب ہونے کی توقع نہیں رکھی جا سکتی؛

(ایڈیٹر)

امراضِ رُوحانیہ کے عام اسباب

(ماخوذ از عرفانِ الٰہی۔ تقریر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ)

بہت سی روحانی بیماریاں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ جن کا علاج ڈاکٹروں سے کرایا جاسکتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو قرآن کریم کو پڑھتا اور سمجھتا ہے۔ پھر اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ مگر باوجود اس کے بعض بدیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اُسے اندیشہ کرنا چاہیئے۔ کہ اسے کوئی جسمانی مرض لاحق ہے۔ جو عموماً اعصابی قسم کی ہوگی۔ اور اسے ڈاکٹر سے اپنی صحت کے متعلق مشورہ لینا چاہیئے۔ اور گو ہمارے ملک میں اعصابی امراض کے علاج کیطرف اطباء کو کم توجہ ہے۔ مگر میں امید کرتا ہوں۔ کہ بہت دفعہ عام اعصابی کمزوری کے علاج سے انسان اپنی روحانیت میں بھی ایک نمایاں ترقی محسوس کرے گا۔ اور گناہوں سے بچنے کی طاقت اس میں پیدا ہوجائے گی۔ اور اپنے اندر اپنے جذبات پر قابو رکھ سکنے کی اہلیت وہ معلوم کریگا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ضروری نہیں۔ کہ ہمیشہ ہی گناہوں سے بچنے میں بے کسی کی حالت جسمانی بیماری کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔ بلکہ بالعموم ایسا ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی بطور سزا کے بھی انسان پر یہ حالت طاری کی جاتی ہے۔ اور کبھی بطور عادت کے بھی ایسا ہوتا ہے۔ ان مؤخر الذکر دونوں صورتوں میں سے اول الذکر کا علاج صرف روحانی علاج کے ماہر کر سکتے ہیں۔ اور ثانی الذکر کا علاج بھی وہی لوگ یا علم اخلاق کے ماہر کر سکتے ہیں۔ پس اس کو قاعدہ کلیہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اگر کوئی کہے۔ کہ جب ایک شخص کوشش کرتا ہے۔ کہ بدی سے بچے۔ لیکن بیماری کی وجہ سے بچ نہیں سکتا۔ تو پھر اُسے سزا کیوں ہوگی۔ اُس کا جواب یہ ہے۔ کہ سزا اس لئے ہوگی۔ کہ اس نے اس کا علاج کیوں نہ کرایا۔ یہ اس کا قصور ہے۔ نہ کہ کسی اور کا۔ مجھے اگر فرصت ملی۔ تو میں اس تحقیقات کو مکمل کردوں گا۔ لیکن اگر میں نہ کرسکوں۔ تو تم لوگ یاد رکھو۔ کہ روحانی امراض کے بعض ایسے علاج ہیں۔ جو ڈاکٹروں کے ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھ کر تم اپنے طور پر کوشش میں لگے رہو۔ اور اپنی تحقیقات سے ان لوگوں کی امداد کرو۔ جن کی توجہ اس طرف ہورہی ہے۔ اور جو اس کے لئے کوشش کررہے ہیں۔ تاکہ دنیا میں ایک نیا انقلاب واقعہ ہو اور دنیا ایک قدم اور ترقی کرے ؁

خدا کا کلام خدائی شان میں

(از جناب مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان)

ہدی للمتقین کی لطیف تفسیر

(گذشتہ سے پیوستہ)

پس جب خدا کی ہر ایک چیز کا نشان بے مثل ہوتا ہے۔ تو اس کے کلام کا نشان بھی بے مثل ہوتا ہے اور جو کلام بے مثل نہیں۔ پس یا تو وہ خدا کا کلام ہی نہیں۔ اور یا وہ اس کا کلام تو ہے۔ مگر خدائی شان میں وہ کلام نہیں کیا گیا۔ بلکہ مخاطب کی کمزوری کی وجہ سے اس کی شان میں تنزل فرما کر کلام کیا گیا ہے۔ اور ساری دنیا جانتی ہے۔ کہ صرف قرآن مجید ہی خدا تعالیٰ کا وہ کلام ہے۔ جس کے بے مثل ہونے کا دعویٰ خود اس میں موجود ہے۔ اور دنیا کے دیگر مذاہب نے ۱۳ سو سال میں اس کے مقابلہ میں آکر اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال لانے سے عاجز ہو کر اس کے دعویٰ کی تصدیق کر دی ہے۔ اور اس کے سوا دوسرے مذاہب کی کسی کتاب نے نہ بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور نہ وہ بے مثل ہیں۔ پس یہ اس کی بین دلیل ہے۔ کہ خدائی شان میں جو کلام خداوند تعالیٰ نے انسان کے ساتھ کلام کیا ہے۔ وہ ایک اور صرف ایک فرقان حمید ہی ہے۔ اور دوسری اسلامی کتابیں جو خدا کا کلام ہیں۔ تو وہ خدائی شان میں نہیں بلکہ انسانی ہیں۔ اور پھر آج کل کی ترقی یافتہ انسانیت کی شان میں نہیں۔ بلکہ اس وقت کی ضعیف انسانیت کی شان میں۔ بلکہ خود ان کلاموں میں بھی جو شرعی شان میں ہیں مدارج کا ایسا ہی فرق ہوگا جیسا کہ عالم فاضل اور فصیح و بلیغ والد کے ان کلاموں میں فرق ہوتا ہے۔ جو کہ وہ اپنے بچے کی شان میں ہو کر اس کے بچپن کے مختلف مدارج میں اس کے ساتھ کلام کرتا رہا ہے۔ جیسا کہ مدرسوں کی مختلف جماعتوں کے نصابوں میں فرق ہے ؎

اسی طرح بچپن کے زمانہ کے کلام کا ایک نشان ہوتا ہے۔ کہ فاضل باپ جو بات بچے کو کہیگا۔ اس کی دلیل نہیں بیان کرے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ بچہ اس کے قابل نہیں۔ مگر جب وہی بچہ جوان ہو جاتا ہے تو والد اس کے سامنے دلائل پیش کرتا ہے۔ قرآن مجید سے پہلی الہامی کتابیں دلائل سے خالی ہیں۔ مگر قرآن مجید ایک دعویٰ کے کئی کئی براہین بیان کرتا ہے ؎

پھر بچپن میں جو کلام بچے کے ساتھ والد کرتا ہے۔ بڑا ہو کر بچہ اس کو ترک کر دیتا ہے۔ کوئی بچہ جوان ہو کر مٹھائی کو چیچی اور پیشاب بھی اس بنا پر نہیں کہتا۔ کہ یہ میرے بزرگ اور واجب الاقتدار باپ کی وہ متبرک یادگار ہیں۔ کہ جو اس نے اپنے بزرگ باپ سے سب سے پہلے سیکھے تھے۔ اور پھر مجھکو سب سے پہلے سکھلائے تھے۔ بلکہ ان کو زبان پر لاتے ہوئے اس کو شرم آئے گی۔ اور کلام کہ والد اپنی شان میں ہو کر اپنے جوان بیٹے سے کرتا ہے۔ تو بیٹا اس کو قائم رکھتا ہے۔ خدا نے نسل انسانی کے ساتھ اس کے بچپن میں اپنی شان سے تنزل فرما کر جس جس زبان میں اس سے کلام کیا تھا۔ وہ زبانیں ترک ہو کر مٹ گئیں۔ نہ سنسکرت بولی جاتی ہے۔ اور نہ پہلوی اور نہ عبرو اور نہ سریانی وغیرہا مگر نسل انسان کے جوان ہونے پر خدا علیم و حکیم نے اپنی شان ارفع میں ہو کر جو کلام کیا تھا۔ اس کی زبان (عربی) قائم رکھی گئی ہے بلکہ کلام کرنے کے زمانہ میں جس ایک ملک کی یہ زبان ہی ہو۔ اس سے بیسیوں گنا زیادہ ملکوں کی اب وہ ان کی ملکی اور قومی علمی اور عدالتی زبان ہو گئی ؛

اسی طرح بچپن کے کلام کی دیگر بیسیوں علامتیں ان کی پہلی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور جوانی کلام کی بیسیوں علامتیں فرقان حمید میں پائی جاتی ہیں۔ جن سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسانی نسل کے بچپن کے باعث خدا نے اپنی شان ارفع کے مطابق نہیں بلکہ اس مخاطب بچہ کی شان کے مطابق کلام کیا ہے۔ جیسا کہ ایک فاضل اور عقلمند باپ اپنے بچہ کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اور قرآن مجید کے زمانہ میں نسل انسان جوان ہو گئی تھی۔ تو خداوند تعالیٰ نے اپنی شان رفیع (جو لیس کمثلہ شیٔ ہے) میں ہو کر اس کے ساتھ بولا ہے ؛

اور ظاہر ہے۔ کہ خدائی شان کے راستہ میں اور اس کے مقابل انسانی شان وہ بھی بچپن کے زمانہ کی شان کب اور کس طرح آ سکتی ہے۔ یا اس فصیح و بلیغ فاضل باپ کا اپنے بچہ کی کمزوری اور نادانی کی وجہ سے چچی پیٔ بولنا اس کے اس فصیح و بلیغ فاضلانہ خطبہ کے مقابل کب قابل ذکر و التفات ہو سکتا ہے۔ جو کہ اس نے اپنے جوان اور تعلیم یافتہ بیٹے کو سنایا تھا ؛

یا ابتدائی مدارس کی جماعتوں کے نصاب کالج کی انتہائی جماعتوں کے نصاب کا سامنا کیا کریں گے۔ پس ھدی للمتقین فرما کر سب اہل کتاب کو بتا دیا۔ کہ تمہاری کتابیں ہوتے ہوئے بھی اس کتاب کی ضرورت ہے، سکولوں کا ہونا کالج سے مستغنی نہیں کر سکتا ؛

التنبیہ اہل کتاب کو اس سے ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ کہ وہ مبلغ اسلام کو کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہماری کتابیں سکول اور قرآن مجید کالج ہے۔ پس جب تک ہم سکول سے فارغ نہ ہو جائیں۔ تو کالج میں کس طرح

داخل ہوں۔ تو خداوند تعالیٰ نے والذین یومنون بما انزل الیک الخ فرما کر ان کو جواب دیا۔ کہ کالج دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اوّل وہ کہ جس کے اپنے سکول ہوں۔ دوم وہ جو اپنے سکول علیحدہ نہ رکھتا ہو۔ بلکہ دوسرے سکولوں کے طلباء کو لیتا ہو۔ اوّل قسم کے جو کالج ہوتے ہیں۔ ان میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ ان کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ ہوتی ہے۔ کہ دوسرے سکولوں کے پاس شدہ اس کالج میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ آج کل ہائی سکولوں کی تعلیم و تربیت اعلیٰ ہونے کے باعث پرائیویٹ طور پر پاس شدہ ان کے برابر کالج میں نہیں چل سکتا۔ اس لئے اس کو نہیں لیتے۔ تو بتایا۔ کہ قرآن مجید ہدی للمتقین ہونے کے باعث کالج ہے۔ مگر یہ ھدی للناس ہونے کے باعث سکول بھی ہے۔ پس یہ وہ کالج ہے جس کے اپنے سکول ہیں۔ مگر اس کی تعلیم و تربیت اس قدر اعلیٰ ہے۔ کہ دوسرے سکولوں کے پاس شدہ اس میں نہیں چل سکتے۔ چنانچہ بتایا کہ روحانی سکولوں کے نصاب میں تین مضمون تھے۔ جس میں سے پہلا ایمان بالغیب ہے۔ اور اس مضمون میں ایمان بجمیع ما انزل من اللہ داخل ہے۔ اور اسی طرح آخرت پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔ تو مشرکین میں نہ تو ایمان بالآخرت ہے۔ اور نہ ایمان بما انزل من قبلک ہے جو تورات و انجیل یا قانون انجیل ہے۔ اور نہ ہی ایمان بما انزل الیک ہے۔ اور یہود میں گو ایمان بالآخرت ہو۔ مگر انجیل اور قرآن پر ایمان نہیں۔ اور نصاریٰ میں گو ایمان بالآخرت اور ایمان بما انزل من قبلک ہے مگر ایمان بما انزل الیک نہیں ہے۔ پس ان تینوں کے سکولوں کے نصاب کے تینوں مضمونوں میں سے پہلے ہی مضمون میں کمی آ گئی ہے۔ تو یہ اس سکول کے پاس شدہ طلباء کے ساتھ ایک برابر ہو سکتے ہیں۔ جس کے مضامین میں یہ زیادتیں موجود ہیں۔ اور کالج ان زیادتوں کا لحاظ ہے۔ اس لئے جب تک تم ہمارے سکول میں داخل ہو کر پاس نہیں ہو گے۔ تم اس الٰہی اور روحانی کالج میں داخل نہیں ہو سکو گے ؞

اعتذار

ہمیں افسوس ہے۔ کہ کئی ایک دوستوں کے قابل قدر مضامین عدم گنجائش کے باعث درج رسالہ نہیں ہو سکے۔ انشاء اللہ العزیز "سالنامہ" میں شائع کر دئے جائیں گے ؞ (مدیر)

اولاد کی تربیت کے متعلق

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ

(از جناب میر محمد اسحٰق صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان)

انسانی فطرت میں جہاں بہت سے جذبات قدرت کی طرف سے ودیعت کئے گئے ہیں۔ اولاد کی محبت کا جذبہ بھی قریباً تمام جذبات سے زیادہ نمایاں اور زیادہ شدت سے اس میں مرکوز کیا گیا ہے۔ انسان اپنے بچوں کی خاطر دن کی دھوپ رات کی بے خوابی جسم کی مشقت روح کی تشویش سب کچھ برداشت کر لیتا ہے۔ مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ کہ ان پر آنچ تک بھی آئے۔ باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا دنیا میں ضرب المثل ہیں۔ اس جذبہ کو قدرت نے کیوں پیدا کیا؟ اور اگر پیدا کیا۔ تو اُسے باقی تمام جذبات پر کیوں فوقیت دی؟ یہ سوال ہیں جو ہمارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر غور کریں۔ تو یوں حل بھی کئے جا سکتے ہیں۔ کہ اگر اولاد کی محبت کا جذبہ ماں باپ کے دل میں قدرت کی طرف سے پیدا نہ کیا جاتا۔ تو اس باغ عالم میں آج انسانی وجود کا پودا بالکل مفقود ہوتا۔ اور اس دنیا میں اور تو سب کچھ ہوتا۔ مگر انسان ہاں اشرف المخلوقات انسان سے دنیا خالی ہوتی۔ اور یہ جو اس وقت نئی اور پُرانی دنیائیں نئی سے نئی اور عجیب سے عجیب ایجادوں سے بحر و بر میں انسان کی مطلق العنان حکومت کا مظہر بن رہی ہیں۔ محض مٹی کا ایک خاموش تودہ ہوتیں۔ دریا ہوتے۔ مگر دریاؤں سے کام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔ سمندر ہوتے۔ مگر سمندروں کو چیرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ دنیا کا مکان تو ہوتا۔ مگر یہ شاندار، عظیم الشان، اشرف المخلوقات رنج کو راحت سے، افسردگی کو خوشی سے، سکون کو حرکت سے بدل دینے والا مکیں نہ ہوتا۔ اور اگرچہ یہ زمین فرشتوں سے بھی بھر جاتی۔ مگر خدا کی صفات ستّار و غفّار و قہّار کا کوئی مظہر نہ ہوتا۔ سچ ہے "کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ"۔ اس عالم سے انسان کا فقدان کیوں؟ اس لئے کہ اگر والدین میں محبت کا بے نظیر جذبہ نہ ہوتا۔ تو کبھی ماں نو ۹ مہینہ تک حمل میں بچے کو لئے لئے نہ پھرتی۔ وہ دو دو دن میں گھبرا جاتی، تھک جاتی، اکتا جاتی اور کوشش کرتی۔ کہ کسی طرح یہ غیر محبوب بوجھ یہ غیر پسندیدہ گٹھڑی مجھ سے ہٹائی جائے۔ لیکن برعکس اس کے چونکہ خدا نے ہونے والے بچہ کی محبت استقرار حمل کے وقت ہی سے اس کے دل میں ڈال دی ہے۔ اس لئے گو ماں کی غذا چھٹ جاتی ہے۔ تمام عادات میں ایک تکلیف دہ تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ آنے والے دردزہ

سکے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر یہ بجائے حمل ضائع کرنے کے اس کی حفاظت کرتی ہے۔ سچ ہے وَالْحٰفِظٰتُ لِلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ۔ اور بجائے رنج کے خوشی کا اظہار کرتی ہے۔ اور آنے والے بچے کے تصوّر کی خوشی میں مطمئن ہو کر راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر اس کے کپڑے سیتی ہے۔ کبھی لڑکی تصوّر کرکے اوڑھنی بناتی ہے۔ اور لڑکا خیال کرکے کوٹ قطع کرتی ہے۔ غرض حمل کے نو۹ مہینے امید کی خوشی، تمنّا کے جوش اور توقع کے سہارے گذار دیتی ہے۔ اور جب وہ خطرناک وقت آتا ہے۔ جب ساری دنیا کی عورتوں سے افضل، سب سے پاکیزہ، سب سے مقدس عورت بھی درد کے مارے یَا لَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا کہہ اٹھتی ہے۔ اس وقت یہ جان سے بیزار ہوتے ہوتے بھی آنے والے بچے کی جان کی سلامتی کی دل وجان سے متمنی ہوتی ہے۔ اور جب اسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنے والا مہمان خیر و عافیت سے آگیا ہے۔ تو اپنی ساری تکلیفوں کو یکدم فراموش کردیتی ہے۔ اور سچ مچ اس کی فطرت آواز دیتی ہے "الا تحزنی قد جعل ربك تحتك سریًا"۔ اور جب وہ بچہ اس کے آگے یہ کہہ کر ڈال دیا جاتا ہے۔ کہ یہ تیرا نور چشم ہے۔ تو اس کی چھاتیوں سے دودھ کی دھاریں بہ پڑتی ہیں۔ اور قدرت کا یہ حکم سن کر کہ "فکلی واشربی وقری عینا"۔ وہ اسے گلے سے چمٹا لیتی ہے۔ وہ اس کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی فریفتہ نہیں، اس کا رنگ، اس کا جمال، اس کے لئے باعث کشش نہیں۔ نہ وہ یہ خیال کرتی ہے۔ کہ یہ بڑا ہو کر میرے کام آوے گا۔ بلکہ وہ محض قدرتی جذبہ اور فطرتی خاصہ کی وجہ سے اس پر جان دیتی ہے۔ لیکن اگر وہ سب سے بڑا رحیم خدا اس کے دل میں اس کی محبت ودیعت نہ کرتا۔ اور اس کے دل میں اپنی رحمت کا پرتو نہ ڈالتا۔ تو وہ بجائے سینہ سے چمٹانے کے اسے پرے پھینک دیتی۔ وہ کیوں ایک مضغۂ بیہوش و عقل، پیشاب و پاخانہ میں ہر وقت بھرے رہنے والے، ہر وقت رونے والے، بے فائدہ و بے فیض گوشت کے ٹکڑے کو سینہ سے چمٹائے چمٹائے پھرے۔ لیکن وہ اسے پھینکتی نہیں۔ بلکہ اسے جان سے لگائے رکھتی ہے۔ وہ خود جاگتی ہے۔ مگر اسے سلاتی ہے۔ آپ بھوکی رہتی ہے۔ مگر اسے کھلاتی ہے۔ آپ پیاس برداشت کرتی ہے۔ مگر اس کی پیاس نہیں دیکھ سکتی۔ وہ اس کے لئے پانی لینے کی خاطر صفا سے مروہ تک سات سات پھیرے کر لیتی ہے۔ مگر تھکتی نہیں۔ پھر ایک دن نہیں۔ دو دن نہیں۔ بلکہ پورے دو برس اسے اپنا خون پلا پلا کر پرورش کرتی ہے۔ اور اتنی تکلیفیں اٹھاتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کو کہنا پڑتا ہے:۔

"حملته امه کرھا و وضعته کرھا وحمله وفصاله ثلاثون شھرا"

اور اسی پر بس نہیں۔ بلکہ وہ بچوں کے جوان ہونے تک دن اور رات ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہے پھر نہ کسی صلہ کے لئے، نہ کسی ستائش کی خاطر، نہ کسی خدمت کی تمنا میں، بلکہ محض فطری محبت کی وجہ سے

یہ تو ماں کی مامتا تھی۔ اب شفقت پدری کا حال سنو۔ وہ دیس سے پردیس جاتا ہے۔ اپنا لہو پسینہ ایک کر دیتا ہے۔ ریل کے قلیوں کی طرح دن رات کام کرتا ہے کیوں! صرف بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے۔ ان کی تربیت کے لئے۔ ان کی تعلیم کے لئے۔ ان کی شادی بیاہ کے لئے۔ وہ اپنی آسائش پر ان کی آسائش مقدم کرتا ہے۔ اور ان کے آرام کے لئے اپنا آرام قربان کرتا ہے۔ اور صرف آرام ہی نہیں۔ وہ تو بابر کی طرح اپنے ہمایوں پر اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ یہ کیوں؟ کیا کسی دنیوی منفعت کے لئے یا کیا کسی ذاتی لالچ یا حرص کے خیال سے نہیں۔ بلکہ محض فطری جذبہ اور قدرتی خاصہ سے۔ سچ ہے "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ"۔ پس دنیا چلانے کے لئے، اس دنیا میں خدا کی ایک مکلّف، مختار، ذی عقل مخلوق کو آباد کرنے کے لئے، ان کی پیدائش، پرورش، تربیت اور تعلیم کو قائم کرنے کے لئے نہایت ضروری تھا۔ کہ ماں باپ کے دل میں بچوں کی محبت کا جذبہ پیدا کیا جاتا۔ اور پیدا بھی اس طرح کیا جاتا۔ کہ سب جذبوں سے فوقیت لے جاتا۔ پس یہ جذبہ ایک نہایت مفید، نہایت ضروری اور نہایت بابرکت جذبہ ہے۔ کہ اس کی برکت سے آج دنیا آباد ہے۔ لیکن جس طرح ہر جذبہ جو خدا نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا۔ لوگوں کے ناجائز استعمال سے بعض دفعہ بُرے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ جذبہ بھی آج کل بہت سے بُرے نتائج ہمارے سامنے پیدا کر رہا ہے۔ جاہل مائیں، ناعاقبت اندیش باپ، اسی جذبہ کے ناجائز استعمال سے اپنی اولاد کی زندگی تباہ کر دیتے ہیں۔ بے جا لاڈ اور غلط پیار سے بچے بگڑ جاتے ہیں۔ ان کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ وہ جاہل رہ جاتے ہیں۔ ساری عمر آوارہ گردی میں بسر کرتے ہیں۔ اور دنیا کے لئے مفید ہونے کی بجائے ایسے نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ کہ خضرؑ سا دلیر بھی ڈر جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ "خشینا ان یرھقھما طغیانا و کفرا"۔ اور پھر سوائے سر کاٹنے کے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا۔ اس لئے عقلمند انسان نہ تو اس جذبہ سے خالی ہو کر بے رحم بنتا ہے۔ نہ اس میں غلو کر کے اپنی اولاد کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے۔ کہ مجھے کوئی کامل نمونہ ملے۔ تاکہ میں اس کی پیروی کر کے اس جذبہ کو صحیح طور پر استعمال کر سکوں۔ پس خدا جو کہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اس نے انسان کی اس فطری خواہش کو ضائع نہیں جانے دیا۔ بلکہ اس نے ہر زمانہ میں اپنے نبی بھیج کر ان کو دنیا کے لئے فطری جذبات کے استعمال کے لئے نمونہ بنایا۔ اور ہم چونکہ اس آخری زمانہ میں ہیں۔ اور ایسے وقت میں ہیں۔ کہ سب نبیوں کی توہیں ایک جگہ جمع ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے وہ شخص نمونہ بنایا گیا ہے۔ جو سب نبیوں کا خاتم یعنی سب نبیوں کا جامع ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے فرمایا: "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"۔ پس آؤ ہم آپ کی زندگی میں اولاد کی محبت

کے جذبہ کو کام کرتے ہوئے دیکھیں۔ اور اس پر عمل کر کے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کو دنیا کے لئے بابرکت بنادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ہر قسم کی اولاد عطا فرمائی تھی۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔ اور جو تربیت یا سلوک آپ نے اپنی اولاد سے کیا۔ وہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ مگر وقت کی تنگی اور تفصیلی واقعات کے عدم استحضار کی وجہ سے مختصراً بطور اشارہ چند امور ذیل میں بیان کرتا ہوں :-

(۱) سب سے بڑی وجہ بچوں کے خراب ہونے کی یہ ہے۔ کہ ماں باپ بوجہ قدرتی محبت اور فطرتی پیار کے جب تک بچہ نادانی کے عالم اور بے سمجھی کے زمانہ میں ہوتا ہے۔ اس کی تربیت اور اخلاق کی درستی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور نادانی کی حالت اور بے سمجھی کا زمانہ کہہ کر اُسے معذور قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب بد عادات راسخ ہو جاتی ہیں۔ اور برائیوں کی جڑ مضبوطی سے بچے کے دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اور بچہ نادانی سے نکل کر سمجھ کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ اس وقت والدین ان عادات کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان عادات کا دُور کرنا ماں باپ کے اختیار کی بات نہیں رہتا۔ کیونکہ اب جبکہ وہ سمجھدار ہو گیا ہے اب تو وہ اپنی سمجھ سے کسی کام کو چھوڑنا چاہے۔ تو چھوڑ سکتا ہے۔ اب ماں باپ کے فعل کا کوئی دخل نہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت سے بچہ کی تربیت کی۔ اور نہ صرف خود کی۔ بلکہ اپنی اُمت کو سکھایا۔ کہ یوں تربیت کریں۔ آپ جب اپنی بیوی کے پاس جاتے تو یوں فرماتے۔ "بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا"۔ یعنی الٰہی اگر اس فعل مباشرت سے تیرے علم میں ہمیں کوئی بچہ عطا ہونے والا ہے۔ تو ہمیں اس وقت گندے شہوانی جذبات سے بچا۔ اور تمام برائیوں کے خیالات سے ہمارے دل و دماغ کو محفوظ فرما۔ تاکہ ہمارے اس وقت کے بُرے خیال کا اثر ہونے والے بچہ کے دل و دماغ پر نہ پڑے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی تربیت اسی وقت سے شروع کی۔ جبکہ بچہ ابھی باپ کی صلب سے ماں کے رحم میں بھی نہیں گیا۔ کیونکہ یہ یقینی اور علم النفس کے ماہرین کی شہادت سے ثابت ہے۔ کہ بچہ کے اخلاق پر ماں باپ کے خیالات اور جذبات کا بہت اثر ہوتا ہے۔ اگر مباشرت کے وقت اور ایام حمل میں ماں میں بُرے جذبات جوش زن ہوں گے۔ تو لامحالہ بچہ کے خیالات بھی بُرے ہوں گے۔ اور اگر ان ایام میں ماں کے خیالات میں تسکین اور صفائی ہوگی۔ تو لازماً بچے کا دماغ تمام کدورتوں اور ناجائز جوشوں سے خالی ہوگا۔ پھر جب بچہ پیدا ہوتا۔ تو حضرتؐ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہتے۔ اور یہ محض ایک رسم نہیں۔ بلکہ باوجود اذان یا تکبیر کے الفاظ کے نہ سمجھنے کے پھر بچہ لازماً ان کلمات طیبہ کی پاکیزگی سے متاثر ہوگا۔ اور اس کے دماغ پر ان کلمات کے پاکیزہ مفہوم کا پاک اثر ساری عمر کے لئے قائم رہے گا۔ پیدائش کے بعد حضرتؐ پہلی خوراک یعنی گھٹی دیتے

وقت برکت کی دعا کرتے۔ اور یہ نہایت ضروری اور نہایت بابرکت فعل ہے۔ کیونکہ خدا ہاں اس بزرگتر خدا کی مدد کے بغیر کوئی تربیت اور کوئی اصلاح قائم نہیں ہو سکتی۔ پھر ساتویں دن آپ عقیقہ کرتے۔ اور بچہ کیطرف سے قربانی دیتے۔ اور اس کے بالوں کو تول کر ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کرتے۔ اور اس سے یہ ظاہر کرنے کہ اس پیدا ہونے والے بچہ کے اخلاق کی تربیت لازمی ہے۔ محض اسے کھلانا پلانا اور آرام سے رکھنا نہیں۔ کیونکہ کھا پی کر تو یہ محض حیوان ہو گا۔ اور اگر حیوان بنانا ہی مقصود تھا۔ تو حیوان تو یہ بکرا بھی تھا۔ جو اس کے لئے قربان کیا گیا۔ بس ایک قربانی دے کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ ہم نے اس بچہ کو با اخلاق و باخدا بنانا ہے۔ محض کھلا پلا کر موٹا کر کے دنبہ نہیں بنانا۔ کیونکہ اگر دنبہ بنانا مقصود ہوتا۔ تو خواہ مخواہ ایک پلے پلائے دنبہ کو اس ہفت روزہ بچے کے لئے کیوں ذبح کر دیا جاتا۔ اور بالوں کے ہموزن چاندی تول کر یہ ظاہر کرنے کے لئے صدقہ کی جاتی تھی۔ کہ اس بچہ کی تعلیم و تربیت میں یہ امر مدِ نظر نہیں رکھا جائے گا۔ کہ یہ بڑا ہو کر محض دنیا کمائے گا۔ اور اس کی زندگی کا مقصد اور اس کے علم کا مبلغ اور اس کی تمام محنتوں کا مرکز مال ہو گا۔ کیونکہ مال یعنی چاندی سونا تو ایسی حقیر چیزیں ہیں۔ کہ اس کے بالوں ہاں کاٹ کر پھینک دئے جانے والے بالوں کے برابر بھی نہیں۔ تو یہ خود کس طرح محض چاندی اور سونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یا تربیت کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کی پیدائش کی غرض خدا کا حصول اور اس کی تربیت کا مقصد دین اور روحانیت کا حاصل کرنا ہے۔

پھر آپ ساتویں روز اپنے لڑکوں کا ختنہ کرتے تھے۔ تاکہ دنیا پر یہ ظاہر کریں۔ کہ جس طرح بچہ کی باطنی پاکیزگی اور طہارت کا خیال رکھنا ماں باپ کا فرض ہے۔ اسی طرح اس کے جسم کی درستی اور صحت کا خیال کرنا ان پر فرض ہے۔ پھر ایام رضاعت میں بعض لوگ بچوں کی ظاہری صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔ نہ ان کے باقاعدہ نہلانے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر کا اثر باطن پر اور جسم کا اثر روح پر پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے جن بچوں کی صفائی کا خیال ایام طفولیت میں نہیں رکھا جاتا۔ وہ بڑے ہو کر بھی صفائی کے پابند نہیں رہتے۔ بلکہ بعض بچوں کو زمین پر میلا کچیلا ہو کر کھیلنے سے مٹی کھانے کی خطرناک عادت پڑ جاتی ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایام رضاعت میں اپنے بچوں کی صفائی کا نہایت اہتمام سے خیال فرماتے تھے۔ بخاری میں ہے۔ کہ آپ اپنے صاحبزادہ ابراہیم کو دیکھنے کے لئے اس کی دایہ کے گھر تشریف لے جاتے۔ اور بچہ کو منگوا کر پیار کرتے اور اسے سونگھتے۔ اس سونگھنے سے قیاس کر سکتے ہو۔ کہ حضور کو صفائی کا کسقدر خیال تھا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بچہ دیکھنے میں صاف ستھرا معلوم ہو۔ مگر سونگھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اسے پوری طرح صفائی سے نہلایا گیا یا نہیں۔ اس لئے حضرتؐ صرف دیکھنے پر اکتفا نہ فرماتے۔ بلکہ اچھی طرح سونگھ کر معلوم کر لیتے تھے۔ کہ یہ صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ یا نہیں۔ اسی طرح اگر بچہ کی بھلائی اور اس کی جسمانی یا روحانی تربیت کے لئے بچہ

کو اس کی والدہ سے الگ کئے جانے کی ضرورت ہو۔ تو بہت سی مائیں بچے کی تباہی برداشت کر لیں گی۔ مگر اپنے سے جدا نہ کریں گی۔ حالانکہ یہ محض حماقت اور جہالت کا اظہار ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچہ ابراہیم کو ایک مسلمان لُہار کے سپرد کیا۔ کہ اس کی بیوی دُودھ پلائے۔ اور بچہ کو اس کی صحت کی خاطر گھر سے باہر بھیج دیا۔ حالانکہ اس وقت صاحبزادہ کی عمر صرف دو ماہ تھی۔ اس میں ہمیں سبق ہے۔ کہ بچہ کے وجود سے یہ غرض نہیں۔ کہ وہ ہمارا کھلونا ہے۔ جو صرف ہمارا دل بہلانے اور چومنے چاٹنے کے لئے ہے۔ بلکہ وہ خدا کی ہمارے پاس ایک امانت ہے۔ ہمیں اس سے وہی سلوک کرنا چاہئیے۔ جو اس کی جسمانی اور روحانی تربیت کے لئے ضروری ہو۔ آج یورپ کی ترقی کا راز اسی میں مُضمر ہے۔ یورپین عورتیں ہندوستان میں اپنے خاوندوں کے ساتھ رہتی ہوئیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تعلیم کے لئے یورپ بھیج دیتی ہیں۔ اور آپ یورپ میں رہتی ہوئیں اپنے نوجوان بچوں کو ملازمت کے لئے ہندوستان بلکہ آسٹریلیا تک بھیج دیتی ہیں۔ مگر ہندوستانی مائیں ایک لمحہ کے لئے بچے کا اپنی آنکھوں سے اوجھل کرنا پسند نہیں کرتیں۔ پھر جب بچہ ایامِ رضاعت ختم کرتا ہے۔ تو وہ کھانے پینے کے معاملہ میں کسی قانون کی پابندی اور کسی آئین کی حد کے اندر رہنا نہیں چاہتا۔ وہ جب چاہتا ہے کھاتا ہے۔ اور جہاں سے ملے کھا لیتا ہے۔ اسے اپنے پرائے، حلال حرام، مفید غیر مفید کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور والدین محبت سے مغلوب ہو کر کم عمری کو بہانہ اور ناسمجھی کو عذر بنا کر اس کی تمام حرکات سے درگذر کرتے ہیں۔ وہ بجائے دائیں کے بائیں سے کھاتا ہے۔ دسترخوان پر اس کا ہاتھ سب برتنوں میں پڑتا ہے۔ وہ بدتمیزیاں کرتا ہے۔ مگر بجائے اصلاح کے والدین ان حرکات سے خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے۔ کہ آج اگر اصلاح نہ کی گئی۔ تو آئندہ بھی اصلاح کی توقع نہیں۔ عادت کیا ہے ایک پودا ہے۔ اگر آج نہ اکھیڑو گے۔ تو پھر جڑ پکڑنے پر بغیر کلہاڑے کے نہ اکھڑے گا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کی تربیت میں ان تمام امور کا خیال رکھا ہے۔ حضرت امام حسن رضؓ نے کھیلتے کھیلتے زکوٰۃ کی کھجوروں کے ڈھیر میں سے ایک کھجور اپنے مُنہ میں ڈال لی۔ حضور علیہ السلام نے خود ان کے مُنہ سے نکال کر پھینک دی۔ اور فرمایا:- کخ کخ۔ یعنی چھی چھی۔ پھر ایسا نہ کرنا۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ صدقہ اور زکواۃ ہمارے خاندان کے لوگوں کے لئے جائز نہیں۔ حالانکہ اس وقت امام حسن رضؓ کی عمر صرف تین چار سال کی تھی۔ لیکن آپ نے درگذر نہیں فرمایا۔ بلکہ فوراً روک دیا۔ اور نہ صرف روکا۔ بلکہ تعلیم دے کر اور سمجھا کر روکا۔ اسی طرح آپ کا ربیب ابن ابی سلمہ آپ کی گود میں بیٹھ کر آپ کے ساتھ کھانا کھانے لگا۔ تو بچے کے ہاتھ برتن میں چاروں طرف پڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا بچے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو۔ اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اور برتن میں سے صرف اپنے آگے سے کھانا لو۔ سارے برتن میں ہاتھ نہ ڈالو۔ اسی طرح بہت سے ماں باپ یہ نہیں دیکھتے۔ کہ ان کے بچے کے مُنہ سے

کیا کلمات نکلتے ہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں۔ کہ ان کا بچہ جلدی بولنا سیکھے۔ خواہ وہ گالیاں ہی سیکھے۔ چنانچہ ہر طبقہ کے بہت سے والدین اپنے بچہ کو توتلی زبان میں دوسروں کو گالیاں نکالتے سُن کر بھی خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ تحریک کرتے ہیں۔ کہ وہ یہ فعل کرے۔ تاکہ مجلس میں ہنسی اور خوشی کی لہر پیدا ہو۔ مگر یہ خود اپنے ہاتھ سے بچہ کو تباہ کرنا ہے۔ اس لئے عقلمند شخص وہ ہے۔ جو یہ سمجھ کر کہ بچے نے زبان سیکھ کر بولنا تو بہر حال ہے۔ اور زبان کے آلہ کو استعمال کرنا ہے۔ تو خود ہی کیوں نہ اُسے ایسی باتیں سکھائی جائیں۔ جو اچھی اور نصیحتوں پر مبنی ہوں۔ امام حسنؓ سے منقول ہے۔ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک فقرہ سکھایا تھا۔ اور حفظ کرایا تھا۔ جو مجھے ابھی تک یاد ہے۔ اور وہ یہ ہے:۔ دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلیٰ مَالَا یُرِیْبُکَ۔ یعنی چھوڑ دے وہ بات جو بُری اور شک والی ہو۔ اور اختیار کر وہ بات جو اچھی اور شک سے پاک ہو۔ دیکھو رسول مقبول صلعم نے کیا صحیح طریق اختیار فرمایا۔ آپ نے دیکھا۔ کہ آپ کا نواسہ اب بولنے لگا ہے۔ اگر اچھے کلمات نہ سکھائے گئے۔ تو بُری باتیں مُنہ سے نکالے گا۔ اس لئے آپ نے مختصر اور چھوٹا سا جملہ یاد کرا دیا۔ جو آئندہ کے لئے امام حسنؓ کے ہمیشہ کام آیا۔ اسی طرح آپ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو دعائیں سکھاتے تھے۔ پھر جس طرح بچوں کے اخلاق کی نگرانی اور ان کو بُرائیوں سے روکنے کے لئے تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ان سے پیار کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص بچے سے پیار نہیں کرتا۔ بچے کو بھی اس سے اُنس پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب تک اُنس نہ ہو۔ بچہ پر کبھی اس کی باتوں کا اثر نہ ہوگا۔ اس لئے جو باپ نہایت بدمزاج اور اپنے بچوں سے پیار نہ کرتا ہو۔ بلکہ ہر وقت ان کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہو۔ وہ بچوں کی نظر میں ایک ہوّا ہوتا ہے۔ اور کبھی بھی وہ بچوں کی صحیح تربیت نہیں کر سکتا۔ اس لئے نہایت ضروری ہے۔ کہ بچوں سے نرمی اور لُطف سے پیش آنے کے علاوہ پیار و محبت سے پیش آیا جائے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچوں کو پیار کرتے تھے۔ ان کو گود میں اٹھاتے تھے۔ ان کا دل بہلاتے تھے۔ حالانکہ یہ بات اس وقت کے جاہل عربوں کے جھوٹے وقار کے خلاف تھی۔ ایک شخص نے آپ کو اپنے نواسہ سے پیار کرتے ہوتے دیکھ کر کہا۔ کہ یا رسول اللہ میرے دس لڑکے ہیں۔ مگر میں نے کبھی انہیں پیار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تیرے دل سے اللہ شفقت نکال لے۔ تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس فقرہ سے معلوم ہوا۔ کہ پیار ایک طبعی امر ہے۔ اور جو پیار نہیں کرتا۔ وہ صاحب وقار نہیں بلکہ قسی القلب ہے۔ آپ سجدہ کی حالت میں ہوتے۔ اور آپ کا کوئی نواسہ آپ کی پشت پر سوار ہو جاتا۔ تو آپ اسی حالت میں پڑے رہتے۔ جب بچہ خود اترتا۔ تو آپ سجدہ سے سر اٹھاتے۔ آپ نے ایک دفعہ اپنی نواسی امامہ کو گود میں لے کر نماز پڑھی۔ جب سجدہ کو جاتے۔ تو اسے گود سے اتار کر بٹھا دیتے۔ پھر اٹھتے تو اٹھا لیتے۔ آپ نے اپنا نواسہ اٹھایا ہوا تھا۔ تو ایک شخص نے کہا۔ "نعم المرکب رکبت یا غلام" کہ اے بچہ تو بہترین سواری

پر سوار ہے۔ آپ نے بچہ کی دلجوئی کے لئے فرمایا۔ "نعم الراکب ھو" یعنی یہ سوار بھی اچھا ہے۔ آپ سفر میں ہوتے۔ تو اپنے چھوٹے رشتہ دار بچوں کو اپنے ساتھ باری باری سوار کرتے۔ غرض بچوں سے صرف تنبیہ اور اصلاح ہی کا معاملہ نہیں چاہیئے۔ کیونکہ یہ تو یتیم خانہ کے کارکن بھی کرنا جانتے ہیں۔ بلکہ پیار و محبت بھی ضروری امر ہے۔ کیونکہ ایک یتیم اور غیر یتیم میں یہی فرق ہے۔ کہ یتیم کی تربیت اور اصلاح اور نصیحت کے لئے ساری دنیا موجود ہے۔ مگر ہائے افسوس۔ کہ کوئی ایسا نہیں۔ جو اسے گود میں لے کر گلے سے لگائے۔ اور یہ ایک فطری معاملہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ بچے کو کھانے کو دو۔ کپڑے پہناؤ۔ اس کی فرمائش پوری کرو۔ اسے کھلونے دو۔ سب کچھ کرو۔ بے شک خوش ہوگا۔ مگر جب اسے گود میں لے کر پیار کرو۔ پھر دیکھو وہ کس فخریہ حالت میں ہوگا۔ اس وقت بچہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے۔ بالخصوص جب باپ اسے گود میں لے اور پیار کرے اس فعل سے بچوں کی خوشی ان کی صحت ان کے قوٰے ان کے جذبات میں ایک نمایاں ترقی ہوتی ہے بچوں سے پیار وہی کام کرتا ہے جو کھیتی سے پانی۔ پھر بعض لوگ یہ سمجھ کر کہ ہم باپ ہیں۔ بچہ کو ہم جو بھی کہیں جائز ہے اسے چون وچرا نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ سب ٹھیک ہے۔ سعادتمند بیٹے ہم نے دیکھے ہیں۔ ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر والدین کو ان کی عزت کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ حضرتؐ فرماتے ہیں:۔ "اکرموا اولادکم" یعنی لوگو! بچوں سے بعزت پیش آیا کرو۔ بعض نوجوان اسی لئے ماں باپ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور نافرمان ہو کر دین و دنیا میں خسران پاتے ہیں۔ کہ باپ اپنے باپ ہونے کے زعم میں ان سے بات چیت میں وہ سلوک کرتے ہیں۔ جو وہ اپنے ہم چشموں کی نگاہ میں اپنے لئے باعث ذلت خیال کرتے ہیں۔ حدیث میں لکھا ہے۔ کہ حضرت فاطمہؓ جب اپنے گھر سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آتیں۔ تو آپ کھڑے ہو کر ملتے۔ اور اپنی جگہ انہیں بٹھاتے۔ اپنا تکیہ ان کو دیتے۔ کیا اس سے بڑھ کر اولاد کی عزت کی کوئی مثال ہے؟ پھر بچپن کے زمانہ سے ترقی کر کے بچے نوجوانی کی حالت میں آتے ہیں۔ اب وہ زمانہ ہے۔ کہ ماں باپ کو ان کی شادی کا فکر ہوتا ہے۔ یہاں آکر دنیا دو متضاد حالات اختیار کرتی ہے۔ بعض نالائق والدین اپنے آرام اور نفس کی خاطر اپنی لڑکی کا بیاہ روپیہ لے کر کسی مالدار سے کر دیتے ہیں۔ خواہ وہ بیمار ہو۔ بوڑھا ہو۔ بدصورت ہو۔ ان کو اس کی خوبیوں سے کوئی غرض نہیں۔ نہ اپنی لڑکی کی خواہش کا کوئی احترام۔ ان کو صرف یہ مدنظر ہوتا ہے۔ کہ ہمیں روپیہ مل جاوے۔ اور یہ گناہ عظیم صرف جہلاء میں نہیں۔ بلکہ ہر قوم کے ہر طبقہ میں ہے۔ لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی فاطمہؓ کی جب شادی کی۔ تو حضرت فاطمہؓ کو فرمایا۔ کہ بیٹا میں تمہارے لئے علیؓ کو منتخب کرتا ہوں۔ جو میرے علم میں تمہارے لئے سب سے بہتر شخص ہے۔ پس حضرتؐ نے اپنے عملی نمونہ سے دنیا کو سکھایا۔ کہ شادی میں اپنا لحاظ یا تعلق یا فائدہ نہ دیکھو۔ بلکہ جس کی شادی کرتے ہو۔ اسی کے فائدہ اور آرام کو دیکھو۔ یہ حالت ایک گروہ کی ہے۔ اب دوسری

حالت جو اس کے بالکل متضاد ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ بعض لوگ نہ صرف یہ کہ اپنا فائدہ نہیں دیکھتے۔ بلکہ وہ اپنی اولاد کی محبت میں اس قدر غلوّ کرتے ہیں۔ کہ اپنا نقصان کرکے اپنے آپ کو تباہ کرکے بچوں کی شادی کرتے ہیں۔ جائداد بیچ کر قرض لے کر ساری عمر کے لئے اپنے تئیں قرضہ کے بوجھ کے نیچے دبا کر لڑکی کو ایسا جہیز دینگے کہ دنیا حیران ہو جائے۔ لیکن یہ حالت بھی نہایت بُری اور یہ امر بھی نہایت قابلِ ملامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کی شادی کی۔ وہ آپ کی سب سے پیاری لڑکی ہیں۔ مگر آپ نے کہیں سے قرض نہیں لیا۔ نہ اپنی مالی وسعت سے بڑھ کر کوئی سامان کیا۔ بلکہ جو سامان نہایت ضروری تھا۔ مثلاً ایک چکّی ایک مشکیزہ اور چند اور چیزیں جو عرب کے اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے گذارہ چلانے کے لئے ضروری تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کو جہیز میں دیں۔ پھر شادی کے بعد بعض لوگ اپنی بیٹی کی معمولی سے معمولی شکایت کا نوٹس لینے کے لئے اور داماد سے برسرپیکار ہونے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور بعض یہ اصول اختیار کرتے ہیں۔ کہ شادی کے بعد لڑکی مردہ تصور کر لو۔ اور پھر اس کے کسی معاملہ میں دخل نہ دو۔ مگر یہ دونو اصول قابل عملدرآمد نہیں۔ نہ تو بیاہ کے بعد لڑکی کے ہر معاملہ میں دخل دینا۔ اور نہ اس کو بالکل مردہ تصور کرنا انسانی فطرت کے لئے قابل برداشت ہے۔ بلکہ دونو کے درمیان درمیان رہنا ایک فطری راستہ ہے رسول مقبول صلعم کے عمل کو دیکھو۔ تو بالکل درمیانی راستہ پر پاؤ گے۔ آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر جاتے تھے۔ داماد اور بیٹی دونوں کو مل کر رہنے اور محبت سے زندگی بسر کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔ اپنی بیٹی کو خاوند کی اطاعت پر آمادہ کرتے تھے۔ اور کبھی آپ نے اپنی کسی لڑکی کے معاملہ میں اپنے دامادوں سے کوئی سختی نہیں کی۔ ہاں جب آپ نے دیکھا۔ کہ ایک موقعہ پر حضرت علیؓ سے ایسی بات صادر ہونے لگی ہے۔ جو حضرت فاطمہؓ کی قوت برداشت سے بالکل باہر ہے تو آپ نے دخل دیا۔ اور فرمایا۔ کہ علیؓ اگر ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ بے شک کرے۔ کیونکہ شرع میں اس کی مخالفت نہیں۔ لیکن ایسے دشمن علیہ کی بیٹی کا میری بیٹی سے گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میری بیٹی کو وہ اپنے نکاح کی قید سے آزاد کر دے۔ اور یہ بھی آپ نے اس وقت فرمایا۔ جب آپ کو یقین ہو گیا۔ کہ فاطمہؓ اس عورت کے ساتھ گذارہ کر ہی نہیں سکتیں۔ اسی طرح جب اولاد جوان ہو کر کوئی کام بدعنوانی کا کرے۔ اور لوگ ماں باپ کو اس کام کی رپورٹ کریں۔ تو عموماً والدین بجائے اپنی اولاد کو سمجھانے یا ملامت کرنے کے شکایت کرنے والوں سے جھگڑنے لگتے ہیں۔ اور اپنی اولاد کی طرف سے غلط ڈیفنس کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں نکلتا۔ کہ اولاد اور زیادہ بگڑتی ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں۔ کہ ہم لڑائی کرکے آئے تھے مگر بجائے ملامت کے ماں باپ نے الٹا ہماری حمایت کی۔ اس لئے عقلمند وہ شخص ہے۔ جو کبھی اپنی اولاد کی ناجائز حمایت نہ کرے۔ بلکہ اگر اس پر ثابت ہو جائے۔ کہ واقعہ میں اس کے بچے کی شرارت ہے۔ تو ضرور

اسے سزا دے۔ تاکہ آئندہ کے لئے اصلاح ہو جائے۔ حدیث شریف میں لکھا ہے۔ کہ ایک عورت نے چوری کی حضرتؐ اس کا ہاتھ کاٹنے لگے۔ وہ چونکہ معزز خاندان کی تھی۔ اس لئے اس کی برادری کے لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو سفارش کے لئے مقرر کیا۔ آپؐ نے اسامہؓ کی بات سن کر فرمایا۔" لو سرقت فاطمة لقطعت يدها" یعنی اے اسامہؓ اگر میری بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی۔ تو بھی میں اس کی رعایت نہ کرتا۔ بلکہ اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ دیکھو عدل میں اولاد کی احسن تربیت کا عمدہ اصول حضرتؐ نے دنیا کو بتایا۔ اسی طرح بعض لوگ اولاد کی ناجائز محبت میں راستی اور سچے مذہب کی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر رسول صلعم نے اپنی دو بیٹیوں کی جو کہ ابولہب کے دو بیٹوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ طلاق اور خانہ بربادی منظور کر لی۔ مگر افسوس کہ آج ایک دنیا اپنے بچوں کی خاطر حق اور راستی چھوڑنے کو تیار ہے۔ پھر بعض لوگ اپنی بیوی کے فوت ہونے پر اس کے بچوں کی خاطر آئندہ شادی نہیں کرتے۔ کہ کہیں نئی بیوی ان کو دُکھ نہ دے۔ مگر بعض لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ نئی شادی کے بعد کلیتہً اپنے پہلے بچوں کو نئی بیوی کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں۔ خواہ وہ تکلیف دے۔ یا آرام سے رکھے۔ مگر یہ دونو باتیں فطرت صحیحہ اور عقل سلیمہ کے خلاف ہیں۔ بلکہ اگر مرد جوان ہے۔ تو اُسے اپنے تقویٰ کے قیام کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ دوسری شادی کرے۔ ہاں وہ خود پوری توجہ سے اپنے بچوں کے آرام کا خیال رکھے۔ چنانچہ رسول مقبول صلعم نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد شادی کی۔ اور خدیجہؓ کی اولاد کو بجائے کسی بیوی کے پاس کلیتہً سپرد کرنے کے براہِ راست اپنی نگرانی میں رکھا۔ اور حضرت فاطمہؓ کو کبھی آپ کی کسی بیوی کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکی۔ اور یوں بھی امہات المومنین کی شان سے یہ امر بہت دُور تھا۔ اسی طرح ایک تیسرا گروہ ہے۔ جو دوسری بیوی کر کے اپنی پہلی اولاد کی خاطر نئی بیوی پر ظلم کرتا ہے اور اولاد کے متعلق یہ نہیں چاہتا۔ کہ وہ اپنی نئی ماں کی اطاعت اور اس سے فرمانبرداری اور محبت کا سلوک کریں حالانکہ یہ امر بھی فطرت کے صریح خلاف ہے۔ وہ گو ان کی ماں نہیں۔ مگر باپ کی بیوی ہونے کے لحاظ سے ماں کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے مرد کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی نئی بیوی کے حقوق جتا کر اطاعت و محبت پر آمادہ کرے۔ چنانچہ بخاری میں لکھا ہے۔ کہ حضرت فاطمہؓ نے ایک دفعہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ محض آنحضرتؐ کی دوسری بیویوں کی طرف سے حضرت عائشہؓ کے متعلق ایک شکایت پیش کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ فاطمہؓ کیا جس سے میں محبت کروں۔ تو اس سے محبت نہیں کریگی؟ انہوں نے عرض کی کہ کیوں نہیں؟ یا رسول اللہ۔ آپنے فرمایا۔ کہ پھر تو عائشہؓ سے محبت کیا کر۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ آپکی بیویوں نے دوبارہ حضرت فاطمہؓ کو آپکے پاس بھیجنا چاہا۔ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ کہ اب میں عائشہؓ کے متعلق کوئی بات شکایت کے طور پر نہ کہونگی۔ بلکہ ایکدفعہ حضرت عائشہؓ نے یہ کہکر کہ میں تمہاری ماں ہوں اس حق سے تم سے فلاں فلاں بات دریافت کرتی ہوں۔ حضرت فاطمہؓ سے ایک ایسا اندرونی امر دریافت کر لیا جسکے متعلق حضرت فاطمہ ایکدفعہ پہلے بتانے سے انکار کر چکی تھیں ؎

"اُٹھو اُٹھو کہ چڑھا آتا ہے سُورج سر پر"

(از نعمت اللہ خاں صاحب گوہر بی-اے)

احمدی قوم سے ہے بندۂ گوہر کا خطاب
تم نے باندھا تھا مسیحائے زماں سے پیماں
تم رہِ دوست میں قربان کروگے سب کچھ
شرق الاغراب میں پہنچاؤگے دیں کی تنویر
شرک اور کفر کی تم ڈھادوگے بنیادوں کو
مجھ کو بتلاؤ کہاں تک ہوا پورا وہ عہد؟

اے کہ تم نازشِ اسلام ہو اور فخرِ اُمم
دین کو دُنیا پہ رکھوگے مُقدّم ہر دم
صِدق کی راہ سے پیچھے نہ ہٹاؤگے قدم
جگمگا اٹھے گا انوار سے سارا عالم
ہر طرف دیکھوگے اسلام کا اُڑتا پرچم
کِس کو تمغائے قضٰی نحبہ مِلا تا ایندم

کِیا کتنوں نے رہِ دین میں جانوں کو فدا؟
کتنے ہیں جن نے دیا اپنے خزانوں کو لُٹا؟

ہر طرف کُفر کا ہے شور سُنائی دیتا
گھر میں مسلم کے نہیں بوریا تک بھی باقی
نصف گذری ہے صدی ہند میں ظلمت ہے وہی
جسکو دیکھو وہ ہے مخلوق پرستی میں اسیر
تھے جو گائے کے پُجاری ہُوئے ضیغم دیکھو!
جذبۂ شوق پرستاریٔ شِولنگ کو دیکھ
کب تلک سُنتے رہینگے یہ صدائے ناقوس
ہیں کہاں بادۂ توحید کے وُہ متوالے
آئیں اور آکے دکھائیں ذرا زورِ اخلاص

ہو کے شمشیر بکف آئے ہیں فوجوں والے
اور صف بستہ مقابل پہ ہیں بنکوں والے
کچھ تو سمجھائیں ہمیں آن کے مِشنوں والے
مندروں والے کہیں ہیں کہیں گرجوں والے
دندناتے ہوئے پھرتے ہیں گرنتھوں والے
غرق دریائے ندامت میں ہیں عقلوں والے
تھام کر اپنے کلیجوں کو اذانوں والے
وہ اولوالعزم وہ تکبیر کے نعروں والے
قل ھو اللہ کے ۔ والنّاس کے وِردوں والے

اٹھو اٹھو کہ چڑھا آتا ہے سُورج سر پر
اور تم لیتے ہو خرّاٹے ابھی بستر پر

حقیقی مُسلم بجواب اقبالی مُجرم

(از جناب مولانا مولوی چراغ الدین صاحب مولوی فاضل قادیان)

چند دن ہوئے۔ کہ میری نظر سے رسالہ "اصلاح" گذرا۔ اس میں ایک مضمون "اقبالی مجرم" نوشتہ سید مقرب حسین صاحب کا تھا۔ اس مضمون میں مولانا موصوف نے خلفاء ثلاثہ کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اگرچہ ان اعتراضات کے جواب کئی دفعہ دیئے گئے۔ مگر یہ گروہ کچھ ایسا ہٹ دھرم واقعہ ہوا ہے۔ کہ مکرر انہیں اعتراضات کو دُہرائے جاتا ہے۔ چنانچہ اس خیال سے میں ان کے چند اعتراضات کا جواب تحریر کرتا ہوں۔ (تعجب ہے کہ واقعاتِ بے بنیاد کی طرف تعریض تو بہت کی گئی ہے۔ مگر حوالہ ساتھ ایک بھی درج نہیں) وما توفیقی الا باللّٰہ

(۱) نبی کو نزعہ کفار میں چھوڑ کر بروز جنگِ احد مفرور ہوا۔

جواب:۔ مولانا! تحریر کرتے وقت تواریخ کو تو دیکھ لیا ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تعصب نے آپ کو اندھا کر دیا ہے ملاحظہ ہو (۱) مشہور تاریخ طبری صفحہ ۱۶۶ و ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ قد بقی مع النبی صلعم نفر من المہاجرین۔ ۔ ۔ ۔ الی منہم ابوبکر و عمر و علی والعباس۔ (۲) پھر ملاحظہ ہو طبری صفحہ ۱۴۰۔ فلما عرف المسلمون رسول اللّٰہ صلعم نہضوا بہ ونہض نحو الشعب معہ علی ابن ابی طالب و ابوبکرؓ بن قحافہ و عمرؓ بن خطاب الخ۔ ترجمہ۔ جب مسلمانوں نے انحضرتؐ کو پہچان لیا۔ تو آپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور آپ شعب کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس حالت میں کہ آپکے ساتھ علیؓ۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ تھے۔ اب آپ ہی سوچ کر بتائیں۔ کہ ان حوالوں کے ہوتے ہوئے کیا پھر بھی آپ ان پر الزام لگانیکی بے سُود سعی کریں گے۔

(۲) جنگ خیبر کے فتح نہ کرنے سے بزدلی و مفروری کا خطاب دیا گیا۔

جواب (۱) ماشاء اللہ حضرت علی تو تقیہ کرکے اور خلافت اپنا حق سمجھتے ہوئے تابِ مقاومت نہ لاکر تو بُزدل نہ ٹھہرے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ ایک قلعہ خیبر کے فتح نہ کرنے سے بزدل اور ڈرپوک ٹھہرے۔

(ب) خیبر کے تین قلعے ناعم۔ قموص۔ صعب دو دن میں کمال مردانگی و جرأت سے شیخین نے فتح کئے۔ وطیح اور سلالم جس پر حیی قابض تھا۔ وہ بے شک فتح نہ کر سکے۔

(ج) فتح نہ کرنا اگر بزدلی کی علامت ہے۔ تو حضرت علیؓ اور حسینؓ کا معاویہ اور یزید کے مقابلہ میں کیا حال ہوا۔ کیا جنگِ احد میں شکست بزدلی کی علامت ہے۔ مولانا ایک ابوبکرؓ پر الزام دھرتے دھرتے حضرت علی اور آنحضرت کو بھی بیچ میں لپیٹ لیا۔

(د) خیبر کے غنائم میں سے حضرت عمرؓ کو بھی ایک ٹکڑہ زمین کا (ثمغ) ملا تھا۔ کیا آنحضرتؐ نے ایک ڈرپوک اور

نااہل کو دیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ مسلم کتاب الوصیۃ باب الوقف کی پہلی حدیث۔

(۳) مالک بن نویرا کو زبردستی برادرخورد (عمر) کے کہنے سے مرتد قرار دیکر قتل کرادیا۔ آخر میں پچتا کے بیت المال مسلمین سے خون بہا ادا کیا۔

جواب (۱) واہ مولانا! حق پر پردہ ڈالنا اسی کو کہتے ہیں۔ آپ کسی معتبر تاریخ سے تو یہ ثابت کر دکھلادیں۔ کہ زبردستی مرتد قرار دے کر قتل کرادیا۔

(ب) سجاح نامی ایک عورت نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جب اپنی جادو بیانی سے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اس نے مطیع و رام کرلیا۔ تو پھر اپنے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے باقی قبائل عرب سے بھی خط وکتابت شروع کی۔ چنانچہ بنی تمیم کا سردار مالک بن نویرہ اس کے دام میں پھنس گیا۔ اور اس پر ایمان لے آیا۔ چنانچہ اصل عبارت مؤرخ کی اس موقعہ پر یہ ہے "مالک از غایت سخافت رائے وقلتِ تدبّر باسجاح ہماستان گشتہ مرتد شود" روضۃ الصفا جلد ۲ صلا ۲۵۔ مولانا میں نے یہ حوالہ اپنے گھر کا نہیں پیش کیا۔ نہ آپ کی شیعہ کتب سے۔ بلکہ ایک معتزلی کی لکھی ہوئی ہے۔ جس نے ثالث ہوکر ہمارا قطعی فیصلہ کردیا۔

(ج) مالک نے اس وجہ سے زکوٰۃ بھی بند کردی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کی سرزنش کے لئے حضرت خالد بن ولید (سیف اللہ) کو روانہ کیا۔ مالک بن نویرہ کے گاؤں میں پہنچ کر حضرت خالد بن ولید کی بیخبری اور مجاہدین اسلام کی غلط فہمی کی وجہ سے رات کیوقت قتل ہوئے۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد ۲ صلا ۱۷۱ تا ۱۷۳۔ چونکہ قتل عمداً نہیں تھا۔ اس لئے آپنے قصاص نہیں لیا۔ بلکہ خون بہا ادا کردیا۔ اور بیت المال سے اس واسطے ادا کیا۔ کہ وہ بیت المال کے کام میں گئے تھے۔ اپنی ذاتی عداوت تو نہیں تھی۔

مولانا! لفظ پچتانا لکھنے پر آپکو کیسے جرأت ہوئی۔ اپنی فقہ کی کتابوں کا پہلے بغور مطالعہ کیا ہوتا۔ حق کو حق سمجھتے ہوئے اس کے تابع ہوتے۔ مگر یہ آپ کو کہاں نصیب۔ آپ تو اندھا دھند اسلاف کی پیروی کئے جاتے ہیں۔

(د) میں آپ سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ آپکے نزدیک حضرت علیؓ خلیفہ برحق و بلا فصل تھے۔ انہوں نے اس جوروستم کا استیصال نہ کیا۔ اگر ان کا مددگار نہیں تھا۔ تو کم ازکم عصائے موسیٰ کے کارہائے نمایاں کیوں پردہ میں غائب ہوگئے تھے۔ اسم اعظم کی تاثیر کہاں ہوا ہوگئی تھی۔

اس کے علاوہ آپ کا ہی ایک معتبر مفسر ارقام فرماتا ہے۔ کہ در عہدِ ابوبکرؓ ہفت قبیلہ مرتد شدند۔ منجملہ ان کے ایک مالک بن نویرا کا قبیلہ بھی تھا۔ تفسیر منہج الصادقین صلا ۲۶۷

(۴) خالد بن ولید نے مالک کی بیوی سے زنا بالجبر کیا۔

جواب (۱) سراسر کذب دبہتان۔ دعویٰ بلا دلیل قابل قبول نہیں۔ چار عینی گواہ چاہئیں۔ ورنہ شریعت

اسلامیہ کے رُو سے آپ قابل سزا و مورد عذاب الٰہی ٹھیرتے ہیں +

(ب) کم از کم کسی معتبر تاریخ کا حوالہ ہی دیدیں لیکن خفیف او رضعیف روایتیں قابل قبول نہ ہونگی۔ کیونکہ مسئلہ زنا ہے۔

(ج) جناب من! "سیف اللہ" کا خطاب تو آنحضرت صلعم نے آپ کو دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تو نہیں۔ وا تعصب کا ستیاناس۔ ہوش و حواس پر بھی آپ کے قبضہ مخالفانہ جما لیا ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃً ابداً۔ و اولئک ھم الفاسقون۔ ترجمہ۔ اگر چار گواہ آپ نہ لاویں (مولانا) تو آپ تین قسم کی سزاؤں کے سزاوار ہونگے (۱) بصورت اسلامی سلطنت آپ اسی درّوں کے لائق ہونگے (۲) آپ کی شہادت آئندہ کبھی قابل قبول نہ ہوگی۔ (۳) دربار ایزدی میں آپ کا نام فاسقین میں لکھا جاوے گا۔ پس اے مولانا! الحذر الحذر۔

(۵) مقدمہ فدک میں شہادت علی و حسین کو ناکافی سمجھا۔ اور دختر رسول کے خلاف ڈگری دیا۔

جواب۔ اس سوال کے دو حصے ہیں۔ (۱) گواہی ناکافی سمجھی۔ (۲) خلاف ڈگری دی۔

(۱) صرف شیعہ کتب سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ علی و حسین نے گواہی دی تھی۔ اہل سنت والجماعت کی کسی کتاب میں اس کا نام و نشان بھی نہیں۔ بلکہ طرفہ یہ ہے۔ کہ اس کے برخلاف ملتا ہے۔ "ذُکرت ان رسول اللہ اقطعھا ایاھا و شھد علی ذالک علیؓ فلم یقبل ابوبکرؓ شھادۃً لانہ زوجھا قلت ھذا لا اصل لہ ولا تثبت بہ روایتہ انھا ادعت ذالک" راجع الی الحاشیہ نمبر التعلیق المحمود شرح ابو داؤد صفحہ

(۲) آپ نے (ابوبکرؓ) ان کے خلاف ڈگری ضرور دی۔ اس کے وجوہات ہیں۔ اگر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔ تو بلاشبہ آپکے اعتراضات بجسم مٹ جائیں گے۔ اور آپ تسلی و اطمینان کے سبزہ زار میں مٹر گشت کرتے ہوئے نظر آئینگے۔ (الف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث کہ ہم گروہ انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں۔ اور نہ وارث کسی کو کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ (یرید بہ نفسہ) اس سے آپ اپنا نفس ہی صرف مراد لیتے تھے۔ یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے اس لئے آنحضرتؐ کے صادق جانشین خلیفہ برحق (ابوبکرؓ) نے حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کو جواب دیا۔ کہ یہ مال میں آپ کو بطور وراثت کلی طور پر نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ مال از قسم "فی" ہے۔ جو آپکے جانشین کے تصرف میں رہیگا جہاں آنحضرت اس کے مصارف کو کام میں لانے تھے میں بھی لاؤنگا۔ (واقعی کیا ہی پر حکمت جواب ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے پھر بھی آپ جیسوں کی جرأت ہوتی ہے۔ کہ ان کی ذات بابرکات پر کوئی دھبہ لگادیں۔ حیف ہے صد حیف) چنانچہ صحیح مسلم کی ایک روایت، آپکی تسلی (اگر کہاں جو ختم اللہ علی قلوبھم کے مصداق ہو چکے ہوں) کیلئے پیش کرتا ہوں۔ (۱) وانی واللہ لا اغیر شیئاً من صدقۃ رسول اللہ عن حالھا التی کانت علیھا

فی عہد رسول اللّٰہ صلعم ولاعملن فیہا بما عمل بہ رسول اللّٰہ صلعم۔ مسلم نووی صـ۹۲ ۔
ترجمہ۔ خدا کی قسم میں آنحضرت کی صدقات میں ذرہ بھر بھی تغیر و تبدل نہیں کرونگا۔ اور میری عملدرآمد اس پر ویسے ہی ہوگی۔ جیسے آپ کے زمانہ میں تھی۔

(ب) قال لست تارکاً شیئاً کان رسول اللّٰہ صلعم یعمل بہ الا عملت بہ انی اخشیٰ ان ترکت شیئاً من امرہ ان ازیغ۔ صحیح مسلم صـ۹۲۔ ترجمہ۔ میں ہرگز اس کام کے کرنے سے باز نہیں رہوں گا۔ جو آنحضرت کیا کرتے تھے (کیوں نہ ہو صادق القول والعمل کا یہی شیوہ ہوا کرتا ہے) کیونکہ مجھے خوف ہے۔ کہ کہ میں نے اگر کچھ ترک کردیا۔ تو جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہو جاؤں۔

(الف) خلاف ڈگری دیدینے پر آپ شور اور واویلا مچا رہے ہیں۔ مگر اتنا غور نہیں کرتے۔ کہ آپنے وہ مال لیکر کہاں کہاں خرچ کیا۔ کیا اپنی بیٹی عائشہؓ کو دیدیا۔ یا اپنے ذاتی اخراجات میں اس کو خرچ کیا؟

(۶) خانہ دختر رسول کو مرجع خلائق مفسداں قرار دیکر عمر رضی اللّٰہ عنہ کو گھر پھونکنے کیلئے حکم دیدیا۔

جواب۔ حضرت مولانا! پہلے ہم سے پوچھ لیا ہوتا (اگر خود تواریخ کا مطالعہ نہیں کیا) کہ اس کا کیا باعث ہے۔ کہ اسکو مرجع مفسداں قرار دیا۔ اصل واقعہ یوں ہے۔ کہ جب حضرت ابوبکرؓ کو قریباً تمام مہاجرین وانصار نے خلیفہ برحق تسلیم کرلیا۔ تو پھر حضرت علیؓ کا مع اپنے چند حلقہ بگوشوں کے اپنے گھر میں ریشہ دوانیاں کرنا اگر فساد کی آگ کو مشتعل کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ چنانچہ اس سے روکنے کے لئے اور خلیفۂ برحق کی طرف متوجہ کرنے کیلئے حضرت عمرؓ کو اس فساد کی آگ کو فرو کرنے کیلئے حکم دیا۔ پہلے انہوں نے (جس طرح قاعدہ ہے) نرمی سے کام لیا۔ جب وہ نہ رُکے تو جلالی رنگ دکھلا کر انکو زبانی دھمکایا۔ کہ میں تمہارے گھر کو جلا دونگا۔ چنانچہ تمہاری معتبر کتب میں بھی لکھا ہوا ہے۔ (معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آپ کو اپنے لٹریچر سے بھی واقفیت نہیں۔ اگر ہوتی تو کبھی میدان میں نہ آتے۔ امید ہے دوبارہ جرأت نہیں کریں گے)

"چوں خبر با بوبکر (رضی اللّٰہ عنہ) رسید کہ جمع تخلف بیعت او کردہ اند۔ درخانہ علی جمع شدند۔ عمر (رضی) رابسوئے ایشاں فرستاد و آنہا را طلبید۔ چوں اباکردند از آمدن عمر (رض) ہیزم طلبید و گفت بحق آں خدائے کہ جان عمر در دست او ہست یا بیروں مے آیند یا خانہ را با ہر کہ در او ہست بسوزانم" (حق الیقین)

(۲) ذرا انصاف سے آپ فرمائیں کہ اگر حضرت علی رضی خلافت کے لئے نامزد ہو جاتے اور خدانخواستہ یہی فعل بوجہ علیؓ سے سرزد ہوا۔ ان سے سرزد ہوتا۔ تو آپ اس وقت کیا فرماتے۔ خدارا غور کرنے کا مقام ہے۔ مومن وہی ہوتا ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی کے لئے بھی کرے۔ اور جو اپنے لئے نہ کرے بھائی کے لئے بھی نہ کرے ::

(۷) علی سے زبردستی بیعت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

جواب (۱) اس کا ثبوت سوائے کتب شیعہ کے نہیں ملتا۔ بلکہ مشہور تواریخ طبری۔ ابن اثیر وغیرہ اس کا انکار کرتی ہیں۔ (۲) اگر زبردستی بیعت انکی لی گئی۔ تو بقول شیعہ صاحبان انکو چھ مہینے کی مہلت کیوں دیدی گئی ایسے حریف اور خطرناک حریف کو ایک لمحہ کے لئے بھی مہلت نہیں دینی چاہیئے تھی۔ چہ جائیکہ چھ مہینے کا اتنا لمبا عرصہ ان کو ڈھیل دی گئی۔ اس سے تو ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ کہ ان کو غور کرنے کے لئے موقعہ دیا گیا۔ اور انہوں نے خوب غور کے بعد اور سوچ بچار کے بعد بیعت کی واہ جی مولانا! اگر زبردستی بیعت لی گئی۔ تو کیا ہی جرأت تھی۔ خلیفہ بلافصل کی) کیا ہی رحماء بینہم کا منظر پیش نظر تھا۔ واقعہ میں ایک خدا کے برگزیدہ رسول کے فیضان سے فیضیاب اصحاب کا نمونہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

(۸) دختر رسول کو ایسا ناراض کیا۔ کہ نہ عمر بھر گفتگو کی۔ اور نہ جنازہ پر حاضری کی اجازت دی۔

جواب۔ دختر رسول کو اگر ناراض کرنا ایسا گناہ ہے۔ جیسے آپ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے سر تھوپ رہے ہیں تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی بموجب آپکی کتب معتبرہ کے حضرت سیّدہ کو کئی دفعہ ناراض کیا ہے۔ تو وہ کیوں آپ کے مورد لعن طعن نہیں بنتے۔ لے دے کے بچارے ابوبکرؓ کو ہی آپ ہر وقت کوس رہے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کتاب حق الیقین صفحہ ۲۰۵۔

(ا) ملّا باقر مجلسی صاحب فرماتے ہیں۔ "پس حضرت فاطمہؓ بجانب خانہ برگردید و حضرت امیر انتظار معاودت اومے کشید۔ چوں بمنزل شریف قرار گرفت۔ از روئے مصلحت خطاب ہائے شجاعانہ درشت باسید اوصیا نمود کہ مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ ومثل خائناں درخانہ گریختہ وبعد ازانکہ شجاعان دہر را بخاک افگندی مغلوب ایں نامرداں گردیدہ ..... کاش پیش ازیں ذلت وخواری مردہ بودم وائے برمن در ہر صبح وشامے محل اعتماد من مرد ویاور من رست شدہ شکایت من بسوئے پدر من است ومخاصمہ من بسوئے پروردگار است

(ب) کتاب بحار الانوار جلد عاشر صفحہ ۲۳ و ۲۴ پر ایک واقعہ لکھا ہے۔ جس کا ملخص درج ذیل ہے۔" کہ ایکدفعہ حضرت سیّدہ کی غیبوبیت میں حضرت علی نے اپنی ایک لونڈی کی گود میں سر رکھا ہوا تھا۔ کہ اچانک حضرت سیدہ تشریف لے آئیں۔ اور اس خیال کی وجہ سے کہ انہوں نے ضرور مباشرت کی ہو گی۔ بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

(ج) علاوہ ازیں آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حضرت سیّدہ بقائمی ہوش وحواس حضرت ابوبکرؓ سے راضی ہو گئی تھیں

" وقد ذكر في كتاب الخمس تاليف ابي حفص ابن شاهين عن الشعبي ان ابابكر قال لفاطمة يا بنت رسول الله ما خير عيش حيوة اعيشها وانت علي ساخطة فان كان عندك من رسول الله صلعم في ذالك عهد فانت الصادقة المصدقة المامونة على ما قلت قال فما قام ابو بكر حتى رضيت ورضي "

ترجمہ: حضرت ابوبکر نے حضرت سیدہ سے فرمایا کہ ایسی زندگی کا کیا مزہ جبکہ آپ مجھ پر ناراض ہیں۔ اگر آپ کے پاس آنحضرت کا کوئی عہد ہے۔ تو آپ سچی ہیں راوی کہتا ہے۔ کہ حضرت اس وقت ہی اٹھے۔ کہ حضرۃ سیدہ راضی ہو گئی تھیں۔

(د) جب یہ بات بپایۂ ثبوت پہنچ گئی۔ کہ حضرت سیدہ مرنے سے پہلے حضرت ابوبکر سے راضی ہو گئی تھیں۔ تو اس صورت میں انکی وصیت "کہ میرے جنازے پر ابوبکر نہ آدیں" چیزے دیگر ہے۔ اس کا تعلق تو حضرت سیدہ سے ہے۔ یہ انہیں آپ جا کر پوچھیں۔ کہ آپ نے کیوں یہ وصیت کی تھی۔

(س) جس طرح آپ لوگ اس وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کے وقار کو صدمہ پہنچا رہے ہیں۔ ہمارا بھی حق ہے۔ کہ آپ کے مزعومہ حضرت علی کے متعلق جو نادیلات کرنا چاہیں کریں۔ لہذا میں کہتا ہوں۔ کہ علی نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنی تھی۔ حضرت سیدہ کی لمبی علالت سے انہوں نے فائدہ اٹھا کر رات کے وقت ان کو زہر دیدیا۔ اور بغیر اطلاع دینے (کہ کہیں راز سربستہ فاش نہ ہو جائے) ان کو راتوں رات دفن کر دیا۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا ؛

نظم

(ن)

اگر ساقی پلا دے تو مجھے اک جام عرفاں کا
تو پھر جھگڑا ہی مٹ جائے خودی کا نفس و شیطاں کا

زمانے میں چلے ایسی ہوا مہر و محبت کی
کہ مخمورِ مئے الفت ہو دل ہر اک مسلماں کا

گلستانِ محمدؐ میں چلے باد بہاری پھر
کھلے تازہ بتازہ نو بنو ہر پھول بستاں کا

شبِ تاریک پھر بدلے ضیاءِ صبح صادق سے
ہو ظلمت دور دنیا کی چڑھے پھر چاند کنعاں کا

مئے توحید سے مخمور ہو پھر حضرت انساں
نشاں مٹ جائے دنیا سے ضلال و شرک و عصیاں کا

خدایا پھر خلافت کو عطا پہلی سیاست ہو
ظفر کا پھر اڑے پرچم زمانے میں مسلماں کا

(ایڈیٹر)

کیا آریہ اقوام سامی الاصل ہیں؟

(از جناب نعمت اللہ خاں صاحب گوہر بی اے)

آریہ اقوام میں مندرجہ ذیل قومیں شامل ہیں:-

(الف) آریہ ہندو یا ہندی آریہ (ب) ایرانی (ج) فرنگی یا یورپین۔ مثلاً یونانی۔ انگریز۔ جرمن وغیرہ وغیرہ۔

یہ بات تو سب کو مسلّم ہے۔ کہ ہندو۔ ایرانی اور فرنگی اقوام متحد الاصل ہیں۔ اور ان کی زبانیں شہادت دیتی ہیں کہ وہ دراصل ایک ہی شجر کی مختلف شاخیں ہیں۔ لیکن جو مسئلہ ہمارے درپیش ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ کیا سامی اقوام یعنی بنی اسرائیل اور اہل عرب اور آریہ اقوام ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ اور کیا جس طرح بنی اسرائیل کے متعلق قرآن شریف نے بڑے زور سے کہا ہے۔ کہ ذریۃ من حملنا مع نوح۔ انہ کان عبداً شکوراً۔ یعنی اے بنی اسرائیل تم اس پاک نفس سام کی اولاد ہو۔ جس کو ہم نے نوح کے ہمراہ کشتی میں اٹھایا تھا۔ اور وہ عبد شکور تھا۔ اسی طرح آریہ قوموں کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ وہ بھی سام کی اولاد سے ہیں۔

میں نے اس موضوع پر اپنی کتاب تحفۂ ہند و یورپ میں مفصل بحث کی ہے۔ اس میں تفصیل کے ساتھ اس مختصر مضمون میں بحث نہیں کرسکتا۔ شائقین اس کتاب میں ہر قسم کے دلائل منقولی و معقولی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ مختصراً یہ عرض ہے۔ کہ بلاشبہ آریہ اقوام سامی الاصل ہیں۔ بلکہ حضرت ابراہیم کی اولاد اور آپ کے پوتے علیسو بن اسحاق کی ذریت ہیں۔ اس پر معقولی اور منقولی دلائل حسب ذیل ہیں:-

(۱) تاریخ بتلاتی ہے۔ کہ آریہ اقوام کے آباؤ اجداد اپنے وطن اوّلین یعنی شہر آر واقعہ ساحل شرقی بحیرۂ دوار میں آباد تھے۔ یہ شہر (آر) سکندر کے حملے کے وقت بھی آباد تھا۔ گو اب موجود نہیں۔ یونانیوں نے اسے دیکھا تھا۔ اور اس کا نام ان کی کتابوں میں آریو پولس لکھا ہے۔ یعنی آریوں کا شہر (پولس بمعنی شہر)

(۲) آریہ اقوام کے آباؤ اجداد ۸۰۰ سو سال قبل المسیح تک یورپ۔ ایران اور ہندوستان میں ایسی زبانیں بولتے تھے۔ جن کو عربی۔ عبرانی کے ساتھ قریبی رشتہ تھا۔ اس کی ایک موٹی مثال اس وقت بھی زبان سنسکرت میں ملتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جس طرح عربی میں قدیم صیغے واحد۔ تثنیہ اور جمع پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح سنسکرت میں بھی تین صیغے اب تک موجود ہیں۔ اور اگر ہم انگریزی زبان کو لیں۔ تو وہاں بھی قدیم انگریزی میں اسماء کے تین صیغے ملتے ہیں۔ یہی حال یونانی۔ فارسی اور لاطینی زبانوں کا تھا۔ مگر مرور زمانہ سے تمام آریہ زبانوں میں ۲ دو ہی صیغے باقی رہ گئے بجز سنسکرت کے۔ جس نے اپنی قدیمی شان کو تا ایں دم برقرار رکھا ہے۔

(۳) قدیم فارسی یا پہلوی زبان کی تصنیفات کو جب دیکھا جاتا ہے۔ تو ان میں عربی کے بیسیوں مُفرد الفاظ ملتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قدیم فارسی زبان عربی۔ عبرانی سے مشتق ہے۔ مثال کے طور پر دیکھو کتاب آرداے ویراف۔

(۴) ہندو لوگ شِو۔ وشنو اور برہما تین دیوتاؤں کو مانتے ہیں۔ بلکہ انہیں اپنا نجات دہندہ جانتے ہیں۔ چونکہ دیو کے معنی سنسکرت زبان میں ایک خوبصورت اور شکتی مان کے ہیں۔ لہذا ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ تین پیغمبروں یا پیغمبر زادوں کے نام ہیں۔ پیغمبروں اور پیغمبر زادوں کے خوبصورت اور شکتی مان (طاقتور) ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ پس یقیناً یہ تینوں نام تین بڑے اولوالعزم نبیوں یا نبی زادوں کے ہیں۔ نبی زادے کا لفظ میں نے شِو کی وجہ سے ایزاد کیا ہے۔ کیونکہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک شِو دراصل عیسو (عیشو) کا نام ہے۔ نبی نہیں تھا۔ ہاں نبی زادہ ضرور تھا۔ مگر ہندو لوگ شِو جی حضرت آدمؑ کا نام بتلاتے ہیں۔ اور پرانوں کی تعلیم کے موافق یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ شِو جی لنکے میں گئے تھے۔ مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ بہر حال شِو ایک واجب التعظیم بزرگ گذرا ہے۔ اور اسی لئے ہندوؤں نے اسے اپنی ترمورتی میں داخل کیا ہے۔

میرے نزدیک شِو یا عیسو ہندوؤں اور دیگر آریہ اقوام کے مورث اعلیٰ کا نام ہے۔ اور وشنو دراصل ویش نوح ہے۔ چونکہ تمام بنی آدم حضرت نوحؑ کی ذرّیت سے ہیں۔ اور وہ ویش (داہل حرفہ) تھے۔ لہذا ہندوؤں نے حضرت نوح کو بھی وشنو کے نام سے اپنی ترمورتی میں داخل کر لیا ہے۔ تیسرا نام برہما ہے۔ میرے نزدیک برہما۔ ابراہام یا ابراہیم کی قدرے متبدّل صورت ہے۔ برہما کے متعلق ہندوؤں کا عام عقیدہ ہے۔ کہ ان کے ہاتھ سے سرشٹی کی ابتداء ہوئی۔ اور یہ عقیدہ عین اسلام کا عقیدہ ہے۔ کیونکہ اسلامی کتب میں حضرت ابراہیم کو آدمِ ثالث مانا گیا ہے۔ اور حضرت نوح کو آدمِ ثانی کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ پس جن دو نبیوں کو مسلمان۔ یہودی اور عیسائی آدم ثانی اور آدم ثالث مانتے ہیں۔ ... ہندو بھی ان کو اپنا مورث اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔ اگر وہ نوح یا ابراہیم کی اولاد سے نہ ہوتے۔ تو کبھی ان بزرگوں کا نام ان کے وردِ زبان نہ ہوتا۔ اور کبھی ان کو اپنی ترمورتی میں داخل نہ کرتے۔ پس سوائے اس کے چارہ نہیں۔ کہ ہم دو باتوں میں سے ایک کو تسلیم کریں۔ یا تو یہ مانیں۔ کہ وید کوئی الہامی اور شریعت کی کتاب نہیں۔ اور اگر ہم وید کو الہامی اور شریعت کی کتاب مانتے ہیں۔ تو پھر ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ وید صُحفِ ابراہیم میں سے ایک گرامی صحیفہ ہے۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ ہندو بھی وید کو برہما پر نازل شدہ مانتے ہیں۔

(۵) حضرت ابراہیم کو ابوالانبیاء عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ بائبل اور قرآن شریف اس پر گواہ ہیں۔

اس کے ساتھ ہی عموماً یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ ہر مہذب قوم میں انبیاء آئے ہیں۔ جیسے ہندوؤں میں کرشن اور بدھ۔ پارسیوں میں زرتشت چینیوں میں کنفیوشس۔ یونانیوں میں سقراط۔ بنو قطورا میں شعیب۔ بنو عیسو میں ایوب۔ تمام مسلمان اور اہل کتاب لوگ ان پیغمبروں کو سچا پیغمبر مانتے ہیں۔ اور یہ بھی انہیں معلوم ہے۔ کہ ان تمام انبیاء کا زمانہ حضرت ابراہیم کے زمانے کے بعد ہے۔ پس مندرجہ بالا مسلمات کی بناء پر کون عقلمند ہے۔ جو یہ نتیجہ نہ نکالے۔ کہ یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔ اور اگر یہ دلائل کافی نہیں۔ تو سب سے آخر میں قرآن شریف کی یہ آیت پیش کرتا ہوں۔ جو اس امر پر جامع و مانع دلیل ہے

ووھبنا لہ اسحٰق ویعقوب وجعلنا فی ذریتہ النبوّۃ والکتاب واتینٰہ اجرہٗ فی الدنیا وانہٗ فی الاٰخرۃ لمن الصالحین ہ (سورہ عنکبوت)

ترجمہ:۔ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت کیا۔ اور اس کی ذریت میں نبوت غیر تشریعی اور کتاب یعنی نبوت تشریعی جاری رکھی۔ (یہاں تک کہ آخری نبی کا زمانہ آگیا) اور اس کا اجر ہم نے اسی دنیا میں دیدیا۔ اور وہ آخرت میں بھی سنوار والے لوگوں میں ہونگے۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس انعام کی خبر دی ہے۔ جو حضرت ابراہیم کو ان کی قربانیوں کے صلے میں بخشا گیا۔

(۶) وید کے متعلق آریوں کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ وہ آج سے ......۱۹۷ سال پیشتر ابتدائے آفرینش میں لکھے گئے۔ یہ دعویٰ اس قدر لغو اور باطل ہے۔ کہ ہر مؤرخ اور محقق آریوں کی عقل پر ہنس دیتا ہے یا رو دیتا ہے۔ میں نے براہین قاطعہ اور ادلّہ ساطعہ سے یہ امر روشن کر دیا ہے۔ کہ وید صحف ابراہیم میں سے ایک مؤقر صحیفہ تھا۔ جسکو نازل ہوئے ... ۴ ہزار سال کے قریب عرصہ گذرا ہے۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ وید برہما پر نازل ہوا تھا۔ اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا نام ہے ابراہیم کے سوا اور کوئی برہما دنیا کے تختے پر پیدا نہیں ہوا۔

علاوہ ازیں **وید** کے صحیح معنی آریوں اور دوسرے لوگوں کو معلوم نہیں۔ وہ نادانی سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وید ودّیا سے مشتق ہے۔ یا وید بمعنی ودّیا ہے۔ حالانکہ میری دانست اور تحقیق میں **وید** عربی لفظ وُد سے نکلا ہے۔ جس کے معنی دوستی اور محبت کے ہیں۔ اسی وُد سے وداد۔ ودود وغیرہ کلمات مشتق ہیں۔ پس وید کا لفظ وداد کا مخفف ہے۔ حضرت ابراہیم پر جو صحیفہ نازل ہوا تھا۔ اس کا نام وداد یا الوداد تھا۔ ہندوستان میں آکر ایک ہزار سال کے بعد جب اس کی تدوین ہوئی۔ تو ہندوؤں نے اس کا نام اختصار کو مدنظر رکھ کر وید رکھدیا اور اسے چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔

اس بات پر کہ فی الواقعہ وید بجز صحیفہ ابراہیمی کے اور کوئی صحیفہ نہیں۔ ایک اور زبردست دلیل یہ ہے

کہ حضرت ابراہیم کے زمانے کے بعد آج تک سوائے تورات اور قرآن کے اور کوئی شریعت کی کتاب صفحۂ دنیا پر نازل نہیں ہوئی۔ چونکہ احمدی جماعت اور ان کے مقدس امام (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) وید کو ایک شریعت کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف حضرت ابراہیم کے بعد بجز دو کتب محولہ بالا کے اور کسی نبی پر کسی شریعت کی کتاب کا اتارے جانا تسلیم نہیں کرتے۔ جیسے کہ قرآن شریف اس پر گواہ ہے۔ لہذا ثابت ہُوا۔ کہ وید حضرت ابراہیم پر نازل شدہ ایک شریعت کی کتاب تھی۔

پہلا انعام جسکا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت اسحٰق اور پھر ان کے بیٹے یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کا پیدا ہونا تھا۔ یہ دونو فرزند معجزانہ رنگ میں پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ دونو کی مائیں بانجھ تھیں۔

دوسرا انعام جو اس آیت میں مذکور ہے۔ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں اور بطریق خرقِ عادت سلسلۂ نبوت کا اجرا حضرت ابراہیم کی ذریّت میں رکھدیا۔ جس طرح اسحٰق کا پیدا ہونا ظاہری طور سے ناممکن تھا۔ اور ایسا ہی یعقوب کا پیدا ہونا بھی بظاہر محال تھا۔ مگر خدا نے دونو کو اعجازی طور پر پیدا کیا۔ تاکہ اس سے ابراہیم کا اعزاز قائم ہو بعینہٖ اسی طرح اس نے ذریت ابراہیمی میں منصب نبوت کو مقید فرما کر دائمی طور پر ابراہیم کا اعزاز قائم کردیا۔ اور اسمیں کیا شک ہے۔ کہ یہ انعام خرقِ عادت کے طور پر ہے۔ اور اسی واسطے لوگوں کی نظروں میں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ اس امر کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ تعجب کرتے ہیں۔ کہ کس طرح ایک شخص کی نسل کو خدا تعالیٰ نے اس انعام کے لئے مخصوص کرلیا۔ اور باقیوں کو اس انعام اور اس شرف سے محروم رکھا۔ مگر انہیں سوچنا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ عجیب ہے۔ اور اس کے کارخانے بھی عجیب ہیں۔ اور پھر فضل کے بارے میں تو سوال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جس پر چاہے۔ وہ اپنا فضل کرے۔ قل ان الفضل بید اللّٰہ۔ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم۔ پس جب حضرت ابراہیم کیساتھ خدا تعالیٰ نے دوستانہ گانٹھ لیا تھا جیسا کہ آیت واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلا۔ تو اس عہد خُلّت کو نباہنے کیلئے اس نے یہ بھی اپنے اوپر لازم کرلیا۔ کہ آئندہ زمانوں میں نبوت کو ابراہیم کے گھرانے اور ابراہیم کی ذریت کے ساتھ مخصوص کردیا۔ اور تاریخی اوراق اس کی کافی ووافی شہادت دے رہے ہیں۔ اگر کسی کو تاریخ سے صحیح واقفیت نہ ہو۔ تو اس کا ذمہ وار خدا نہیں۔ بلکہ وہ خود ذمہ دار ہے۔ کہ اس نے تاریخ سے واقفیت حاصل نہیں کی۔

یہ بات اس قدر صاف اور غیر مشتبہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے جہاں قرآن میں ہمیں اس امر سے آگاہ کرنے کے لئے کہ نبی کریم کے زمانے تک تمام انبیا ابراہیمی نسل سے آئے ہیں۔ خبر دی ہے۔ وہاں کلمہ حصر بھی استعمال نہیں فرمایا۔ چنانچہ اس نے بلا تکلف اور صاف صاف بغیر ذرا سی جھجک کے قرآن میں فرمایا:۔ وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب۔ وجہ یہ کہ کلمہ حصر وہاں لایا جاتا ہے۔ جہاں کسی واقعہ کے متعلق

کوئی شبہ ہو۔ یا جہاں کسی امر میں تنازعہ اور شدید اختلاف ہو۔ جیساکہ حرام وحلال کے بارے میں قرآن نے کہا کہ :۔ انما حرم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر۔ یعنی خدا نے ان چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز کو حرام نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ امثلہ۔

مگر حضرت ابراہیم کا ابوالانبیاء ہونا ایسا قطعی طور پر مسلّم ہے۔ کہ اس بارے میں ہرگز ہرگز کسی کلمۂ حصر کی ضرورت نہ تھی۔ یہودی اور عیسائی ابراہام کہہ کر آپ کو یاد کرتے ہیں۔ مسلمان ابراہیم کہہ کر اور ہندو لوگ برہما کے نام سے ان کی تکریم کرتے ہیں۔ مسلمان اور اہل کتاب پہلے ہی حضرت ابراہیم کو آدم ثالث قرار دیتے ہیں۔ تو ہندو انہیں دنیا کا خالق تسلیم کرتے ہیں۔ مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت نوح کے زمانے میں جہذب دنیا کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ سوائے نوح کی اولاد کے۔ انہی شیخانِ نوح میں سے جو بقیۃ الصالحین تھے۔ ابراہیم پیدا ہوئے۔ اور آپ کے بعد خدا تعالےٰ نے نبوت (تشریعی اور غیر تشریعی) کا انعام آپکی اولاد کے ساتھ خاص کر دیا ؛

اس بحث سے صاف طور پر نتیجہ نکلا۔ کہ آریہ اقوام جن میں ہندوستان کے ہندو شامل ہیں حضرۃ ابراہیم کی ذریت ہیں۔ کیونکہ ان میں کرشن اور بدھ جیسے عظیم الشان انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ نیز واضح ہو۔ کہ حضرت کرشن کا زمانہ ایکہزار سال قبل از مسیح تھا۔ جس پر آج تین ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم کا زمانہ آج سے ۴۰۰۰ ہزار سال قبل تھا۔ اور آپ بلا شبہ الف سوئم کے مجدد تھے۔ جیساکہ قرآن اور بائبل اس کے گواہ ہیں ؛

رسالہ جامعہ احمدیہ

کا تیسرا نمبر آپ کے پیش نظر ہے۔ اس سے قبل بھی دو نمبر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ رسالہ میں کس طرح کے مفید اور علمی مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ رسالہ کی لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی اعلیٰ درجہ کا ہے۔ نیز ہمارا ارادہ ہے۔ کہ جلسہ سالانہ کی تقریب پر ایک شاندار سالانہ نمبر نکالا جائے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ علاوہ علمی۔ ادبی۔ اخلاقی اور مذہبی مضامین پر مشتمل ہونے کے اپنی دیگر خوبیوں کے اعتبار سے بھی مقبول ثابت ہو گا۔ اس لئے آپ کا فرض ہے۔ کہ آپ رسالہ کی اشاعت کے بڑھانے میں کوشش فرمائیں۔ اور اگر اب تک آپ خریدار نہیں بنے۔ تو آج سے ہی اس کی خریداری منظور فرما دیں ؛ مینیجر

آہ! حافظ صاحب مرحوم

(از چوہدری محمد یار صاحب (مولوی فاضل) پروفیسر جامعہ احمدیہ)

یوں تو جس شخص کو بھی ہمارے مکرم محترم استاذ حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم سے تعارف تھا۔ اسے آپکی بظاہر بے موقعہ وفات سے بہت صدمہ ہوا ہوگا۔ لیکن جسقدر کسی کا تعلق آپ سے زیادہ تھا۔ اسی قدر اسے رنج و غم سے زیادہ حصہ ملا۔ اگرچہ حافظ صاحب رض کی صحبت میں جسے بھی بیٹھنے کا موقعہ میسر آیا۔ وہ بہت ہی محظوظ و مسرور ہوا۔ لیکن جو لطف آپ کے شاگردوں کو آپ سے ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے اور آپ کی معیت میں آتا رہا۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کا کون سا ایسا شاگرد ہو سکتا ہے۔ کہ جسے وہ زمانہ یاد آئے۔ جب کہ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ اُسے نہایت شفقت اور ہمدردی سے دینی۔ دنیوی تعلیم ایک عجیب انداز میں دیتے تھے۔ اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوں۔

حضرت حافظ صاحب مرحوم صرف لائق و خیر خواہ استاد ہی نہیں۔ بلکہ حقیقتاً ایک مشفق و مہربان باپ بھی تھے۔ یہ ایک صداقت ہے۔ کہ ایک باپ اپنے جسمانی بیٹے کی خیر خواہی کے لئے جو کچھ بھی ہمدردی کرتا ہے۔ آپ اپنے روحانی بیٹوں کے لئے اس سے کم مہربان نہ تھے۔ اس لئے جو غم ایک باپ کے مرنے سے اس کے یتیم بچوں کو ہوتا ہے۔ آپ کے شاگردوں کو اس سے زیادہ غم ہوا۔ ہاں ہمیں اس امر سے خوشی بھی ہوئی۔ کہ ہمارے مرحوم استاذ نے اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کر لیا۔ انہوں نے اسلام اور احمدیت کیلئے اپنی صحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ قربانیاں کیں۔ جن کو جماعت احمدیہ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتی۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ تا ہم ان کے لئے صدقہ جاریہ اور ترقی درجات کا موجب ہوں۔ آمین ثم آمین ؛

ہمارے مرحوم استاذ کی صحت کچھ عرصہ پہلے ہی سے خراب تھی۔ لیکن باوجود اس کے آپنے رمضان شریف کے درس یا دوسری کسی دینی محنت کو ترک نہ کیا۔ بسا اوقات ہم نے عرض کیا۔ کہ آپ کی صحت خراب ہے تھوڑی محنت کیا کریں۔ لیکن مرحوم ہمیشہ یہی جواب دیتے۔ کہ میری تو یہ خواہش ہے۔ کہ جب تک خدا تعالیٰ کو منظور ہے وہ مجھ سے اس تیز رفتار اور وفادار گھوڑے کی طرح کام لے۔ جو آخر دم تک نہایت جانفشانی سے اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔

اس زمانہ میں جبکہ ہم حضرت حافظ صاحب مرحوم سے مبلغین کلاس میں تعلیم پاتے تھے۔ آپ کو

چند سخت صدمات پیش آئے۔ لیکن جو صبر واستقلال آپ نے ان مواقع پر دکھایا۔ کم از کم مجھے اس کی مثال کسی اور میں دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ آپ کے بڑے بھائی پیر برکت علی صاحب مرحوم ہمارے سامنے فوت ہوئے۔ ایک عزیز رشتہ دار ایک دفعہ جلسہ پر آئے۔ اور اچانک بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ آپ کے خسر منشی شادی خاں صاحب مرحوم کی وفات بھی ہمارے دیکھتے ہوئی۔ یہ تین واقعات مجھے خوب یاد ہیں۔ اور اس وقت سے ان کا اثر میرے دل پر ہے۔ کہ ادھر وہ فوت ہوئے۔ ادھر حافظ صاحب رضی اللہ عنہ نہایت بشاشت اور اطمینان قلب سے دینی کاموں اور تعلیم دینے میں مشغول رہے۔ ایک اجنبی اس حالت میں آپ کو دیکھ کر یقین کر سکتا تھا۔ کہ آپ کو آج کوئی غیر معمولی خوشی ہے۔

حضرت مرحوم کے اخلاق حسنہ۔ اور شاگردوں کو اعلیٰ اخلاق سکھلانے کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کہ جب کسی مسئلہ پر بحث چھڑ جاتی اور ہر شاگرد اپنا سوال پیش کرنے کی جلدی کرنا چاہتا۔ تو آپ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ:۔ اکرم حدیث اخیک بالنصات۔ کہ خاموش رہ کر اپنے بھائی کے کلام کی عزت کرو۔

تبلیغ کے کام میں آپ اپنے شاگردوں کو ہمیشہ مصائب برداشت کرنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے تبلیغی امور کے ذکر میں ہی ایک دفعہ آپ نے فرمایا۔ کہ میں جب رخصت لے کر اپنے وطن ضلع گوجرات جایا کرتا تھا۔ تو تمام جماعت ہائے احمدیہ کا تبلیغی دورہ کرتا۔ اگرچہ مجھے پیدل سفر کرنا پڑتا۔ تاہم ہر جماعت میں پہنچکر اُسے ہوشیار اور بیدار کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کا اس قدر عشق تھا۔ کہ گذشتہ سال ۲ جون کے جلسوں کے لئے مجھے جب خانیوال اور ملتان جانے کا حکم ہوا۔ تو میں آپ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ آپ باوجود بیمار ہونے کے مجھے کچھ نصائح فرماتے رہے۔ اور پھر کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہنستے ہوئے لیکچر شروع کر دیا۔ میں اور آپ کے بھتیجے مولوی عبدالعلی صاحب پاس تھے۔ ہم بھی دونو ہنس پڑے۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ تو پنجرے میں بند کئے ہوئے شیر کی طرح ہیں۔ جس طرح وہ باوجود قید ہونے کے آرام سے نہیں بیٹھتا۔ اسیطرح آپ بیماری میں بھی اپنے محبوب کام سے رُک نہیں سکتے۔ آپ کو اللہ تعالےٰ صحت دے رہا ہے اس لئے کام کرنے کا کافی موقعہ انشاء اللہ مل جائے گا۔ لیکن آہ! ہمارا یہ خیال غلط نکلا۔ چند یوم بعد ہی آپ سخت بیمار ہو گئے۔ اور یہ وصیت کرتے ہوئے کہ میرے شاگرد تبلیغ کریں۔ اپنے مولیٰ سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہٗ وارحمہ وارفعہ مکاناً علیاً

۔ آمین ۔

آہ! پر آہ!!

(از مولانا عبدالرحمٰن صاحب مولوی فاضل مدرسہ احمدیہ قادیان دارالامان)

آہ! چمنستانِ احمدؐ کی ایک اور شیریں زبان عندلیب پرواز کر گئی۔ قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم جو حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے اور مخلص صحابہ میں سے تھے۔ بتاریخ ۲۴ اگست ۱۹۳۰ء بروز اتوار جملہ جماعت احمدیہ کو عموماً اور اپنے شاگردوں کو خصوصاً داغ مفارقت دے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

آپ کے پاکیزہ خصائل و عادات جو آپ سے وقتاً فوقتاً ظہور میں آتے رہے ہیں۔ مجبور کرتے ہیں۔ کہ انہیں میں ظاہر کیا جائے لیکن چونکہ ان میں سے کئی واقعات پیشتر ازیں الفضل وغیرہ کے ذریعہ احباب تک پہنچ چکے ہیں۔ اسلئے چند ایسے امور جن سے احباب تاحال ناواقف ہیں۔ درج ذیل ہیں:۔

بزرگوں کی اطاعت

ٹھیک اس زمانہ میں جبکہ قاضی صاحب مرحوم مدرسہ احمدیہ میں تعلیمی عہدہ پر فائز تھے آپکے والد صاحب جو گھوڑوں کے تاجر تھے۔ آپکے ہاں تشریف لائے۔ ایکدن جبکہ میں قاضی صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ کسی وجہ سے آپکے والد نے آپکو مارا۔ مگر واہ رے اطاعت۔ قاضی صاحب نے اُف تک نہ کی۔ نوجوانو! غور کرو اور قاضی صاحب کے نمونۂ اطاعت سے سبق سیکھو۔ اسوقت آپکی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔

پابندئ وقت

آپ مدرسہ احمدیہ کے اولین استاد ہیں۔ گویا تعلیم مدرسہ کی ابتدار آپ ہی سے ہوئی تھی آپ پابندئ وقت کا اسقدر خیال رکھتے تھے۔ کہ مدرسہ میں سارے سٹاف سے پہلے پہنچنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور یہ ایک امر حق ہے کہ قاضی صاحب روزانہ سارے سٹاف سے پہلے صحن مدرسہ میں نظر آیا کرتے تھے:

تعلیمی فرض کی ادائگی

جن لوگوں کو آپکے سامنے زانوئے ادب خم کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ وہ اس بات سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔ کہ قاضی صاحب نے اپنے ذمہ واجب الادا کورس کو کبھی ادھورا نہیں چھوڑا تھا جب تک آپ تعلیمی عہدہ پر فائز رہے۔ آپ نے اپنے فرض کو باحسن وجوہ سرانجام دیا ہے۔

شاگردوں سے سلوک

شاگردوں کیلئے آپ کا وجود ایک مشفق باپ کا وجود تھا۔ ور لطف و کرم کا مجسمہ۔ ہر نئے موسم پر نیا پھل ایک دفعہ ضرور اپنے شاگردوں کو خوب پیٹ بھر کر کھلایا کرتے تھے آپ کئی دفعہ اپنے تلامذہ کی دعوت کیا کرتے۔ اور انہیں بے تکلفی کا موقعہ بخشا کرتے تھے۔ بے شک آپ تیز طبیعت تھے۔ مگر غلطی کے ظاہر ہونے پر آپ کا غصہ جلد فرو ہو جاتا۔ آپ کو غلط بات پر ترجیح کی عادت نہ تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر جب کہ میں آپ کے ماتحت سالن تقسیم کر رہا تھا۔ میں نے مستورات کے لئے حضرت صاحب کے

ہاں نصف دیگ بھجوائی۔ اور ظاہر کیا۔ کہ گویا سالم دیگ بھجوائی ہے جب آپ کو علم ہوا۔ تو سخت ناراض ہوئے۔ بلکہ مجھے سزا بھی دی۔ لیکن جب سالن تقسیم ہو چکا۔ اور کام میں تخفیف ہوئی۔ تو میں نے حقیقت کا اظہار کر دیا۔ اور آدھی دیگ بھجوانے کی وجہ بھی بتلائی۔ آہ! وہ نظارہ، وہ رقت آمیز منظر، وہ پُرکیف وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ قاضی صاحب آبدیدہ ہو کر میری طرف بڑھے۔ مجھے گلے سے لگایا، پیار کیا اور کہا عبدالرحمن تم نے بروقت دانشمندی سے کام لیا۔ میں غلطی پر تھا مجھے معاف کر دو۔ آہ! وہ انسان جو بتاریخ ۵ جولائی ۱۸۵۸ء معرض ظہور میں آیا۔ اور بہتوں کیلئے فرشتہ رحمت بنکر آیا۔ آج ہم میں موجود نہیں ہے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وانت خیر الراحمین

لا نبی بعدی

(از جناب ملک عبداللہ صاحب جامعہ احمدیہ قادیان)

انسان پر جو خدا تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں اور احسان ہیں۔ ان میں سے نبوت بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان پر ایک بہت بڑا انعام اور احسان ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا:۔ اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء۔ تو جس طرح خدا تعالیٰ نے بہت سی نعمتیں انسان کو جسمانی صحت اور نشوونما کے لئے پیدا کی ہیں۔ جیسے سورج۔ ہوا۔ آگ وغیرہ۔ ایسے انسان کو روحانی نشوونما کے لئے روحانی غذا کا ہونا بھی لازمی اور ضروری ہے پس جبکہ خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں جسمانی صحت کو ترقی دینے والی چیزوں سے ہمیں محروم نہیں کیا۔ اور ان سے ہمیں بہرہ ور کیا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہماری جسمانی نشوونما کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں وہ تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ جو پہلوں پر تھیں۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ وہ رب العالمین ہمیں ہماری روحانی قوت کو ترقی دینے والی چیزوں سے محروم کر دے۔ اور قرآن مجید میں کنتم خیر امۃ کہنے کے باوجود وہ ہم سے نبوت جیسے انعام کو روک دے۔ اس صورت میں اسلامی امت نعوذ باللہ خیر امت تو نہ ہوئی۔ بلکہ شر امۃ ہوئی۔ پس اسلامی امت بوجہ خیر امۃ ہونے کے اس نعمت کی زیادہ مستحق تھی۔ نہ کہ محروم رہنے کے قابل:۔

اس عظیم الشان فیضان کے بند ہونے کی تائید میں جو یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ لا نبی بعدی تو اول تو یہ حدیث حضرت علی رضؓ کی خاطر کہی گئی ہے۔ اس حدیث میں حضرت علی رضؓ کی مشابہت حضرت ہارونؑ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ تو لا نبی بعدی کہہ کر بتایا۔ کہ حضرت ہاروں کے ساتھ نبوت میں مشابہت نہیں۔ باقی امور میں مشابہت ہے:۔

اس کے علاوہ لا ہمیشہ ذات کی نفی ہی نہیں کرتا - بلکہ موصوف کی نفی کے لئے بھی آتا ہے - تو یہ نحو کی رُو سے بھی جائز ہے - کہ اس میں ذات کی نفی نہ ہو - بلکہ موصوف کی نفی ہو - چنانچہ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

بخاری شریف میں آیا ہے - کہ :- اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ و اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ - اب اس کے یہ معنے نہیں - کہ کسریٰ کے بعد کوئی کسریٰ اور قیصر کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا - کیونکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے - مشاہدہ بتاتا ہے - کہ قیصر کے بعد اس کا لڑکا قیصر ہوا تو حدیث کا یہ مطلب ہے - کہ اس کسریٰ جیسا کوئی اور کسریٰ اور اس قیصر جیسا کوئی اور قیصر نہ ہوگا جیسے کہ خود حدیث میں اس کی تشریح بھی درج ہے - کہ قال الخطابی معناہٗ فلا قیصر بعدہٗ یملک مثل ما ھو یملک - پس لا قیصر کے یہ معنے نہیں - کہ قیصر ہی کوئی نہ ہوگا - بلکہ یہ معنے ہیں - کہ پہلے قیصر جیسا کوئی نہ ہوگا -

تو اسی طرح لا نبی بعدی کے بھی یہ معنے ہیں - کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا نبی آئندہ کوئی نہ ہوگا - یہ مطلب نہیں - کہ مطلق نبی ہی کوئی نہ ہوگا -

ایسے ہی ایک اور حدیث ہے - کہ :- لا فتیٰ الا علیؓ ولا السیف الا ذوالفقار - تو اس کے یہ معنے نہیں - کہ حضرت علی رضؓ کے سوا کوئی فتیٰ نہیں - اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں بلکہ یہ معنے ہیں - کہ اس جیسا کوئی جوان نہیں - اور اس جیسی کوئی تلوار نہیں - ایسے ہی لا نبی بعدی کے بھی یہی معنے ہیں - کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی کوئی نہیں - ویسے نبی آ سکتے ہیں "

ایسے نبوت کا دروازہ بند نہ ہونے کا ایک - اور بڑا زبردست ثبوت یہ ہے - کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۹ ہجری میں حضرت ابراہیم کی وفات پر فرمایا کہ :- لو عاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً (ابن ماجہ جلد اول صفحہ ۲۳۷) کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو وہ نبی ہوتا - اور خاتم النبیین والی آیت سنہ ۵ ہجری کی ہے - اب اگر نبوت بالکل آنحضرت صلعم کے بعد بند ہوتی - تو آنحضرت صلعم کبھی بھی یہ نہ فرماتے - کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا - تو نبی ہوتا - کیونکہ جب آیت خاتم النبیین اتر چکی تھی - تو پھر اگر حضرت ابراہیم زندہ رہتے - تب بھی نبی نہ بن سکتے تھے - تو یہ حدیث جو آنحضرت صلعم نے بیان فرمائی - بتاتی ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے بعد نبوت کا دروازہ مطلق بند نہ سمجھتے تھے - پس غیر شرعی نبوت کا دروازہ آنحضرت صلعم کے بعد ہرگز بند نہیں ہو سکتا ؛ فتدبروا یا اولوا الالباب -

بارگاہِ ایزدی میں مسلم کی فریاد

اور اس کا جواب

(از جناب یوسف شاہ صاحب فارغ جامعہ احمدیہ قادیان)

باوجودیکہ یہ دونوہم عنوان نظمیں ۲ علیحدہ علیحدہ وجود رکھتی ہیں۔ تاہم بہت سے الفاظ اور خیالات آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے لکھنے سے پہلے یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ کہ دونو کا نفسِ مضمون اور وزن وغیرہ ایک ہی ہوگا (مدیر)

نہ چمن میں بادِ بہار ہے
نہ وہ پھول ہیں نہ ہزار ہے

جہاں دیکھو نشترِ خار ہے
جہاں دیکھو گرد و غبار ہے

وہ فلک نہیں وہ زمیں نہیں
وہ مکاں نہیں وہ مکیں نہیں

نہ وہ چشمِ موسیٰ نور بیں
نہ وہ طور ہے نہ وہ نار ہے

نہ وہ جوش عہدِ پیمبری
نہ وہ رہروی نہ وہ رہبری

نہ وہ شان و شوکت حیدری
نہ نگاہِ رحمتِ یار ہے

نہ وہ تاب و طاقتِ رزم ہے
نہ وہ استقامت و عزم ہے

نہ وہ مے نہ ساقیٔ بزم ہے
نہ سروں میں پہلا خمار ہے

نہ حکومتِ عجم و عرب
نہ وہ دستگیریٔ لطفِ رب

نہ دعا و آہِ سحر ہے اب
نہ وہ عشق ہے نہ وہ پیار ہے

ترا حال مسلم زار یوں
ہے خراب و ابتر و خستہ کیوں

نہ کہیں ہے تیرے لئے سکوں
نہ کہیں پہ جائے قرار ہے

ترے پہلو میں نہ وہ دل ہے اب
ترے دین میں غیر مخل ہے اب

نہیں کوئی چھپنے کا بل ہے اب
نہ پناہ ہے نہ حصار ہے

ترے دل میں جوش نہیں ہے اب
ہدفِ عدو ترا دیں ہے اب

رہا اس بساطِ زمیں پہ اب
نہ وہ تیرا رعب و وقار ہے

کبھی رُو بسوئے وفا تو کر
کبھی چشمِ خفتہ کو وا تو کر
کبھی کان دھر کے سنا تو کر
کسی غم زدہ کی پکار ہے
کبھی ترکِ حرص و ہوا تو کر
کبھی دل میں خوفِ خدا تو کر
رہِ دیں میں جاں کو فدا تو کر
تو سمجھتا ہے کہ یہ عار ہے
کبھی دل میں سوز بپا تو کر
کبھی آہ بھر کے ندا تو کر
کبھی ہاتھ اٹھا کے دعا تو کر
کہ اسی پہ دار و مدار ہے
مددے شہِ فلک و زمیں۔ کہ عدوِ دیں شدہ در کمیں

بشنو ز ہاتفِ غیب ایں
خبر از فلک بسوئے زمیں
کہ بگوش ناصرِ کارِ دیں
کہ جہان تیرا شکار ہے
ابھی دیں بھی ہے ابھی تو بھی ہے
وہی مَے ہے جام و سبو بھی ہے
ابھی گلستاں میں نمو بھی ہے
ابھی وقتِ بادِ بہار ہے
ترے ساتھ ہے مددِ خدا
رکھ اسی کا دل میں تو آسرا
تو اسی کے سامنے سر جھکا
کہ وہ تیرا حامئ کار ہے
نگہے بحالِ تباہِ دیں۔ کہ مصیبتوں کا شکار ہے

بارگاہِ ایزدی میں مُسلم کی فریاد اور اس کا جواب (از مدیر)

نہ وہ باغ ہے نہ بہار ہے
نہ وہ پھول ہیں نہ ہزار ہے
نہ وہ شانِ سبزہ زار ہے
جو رہا ہے کچھ تو وہ خار ہے
نہ وہ شمعِ بزم کی لَو رہی
نہ مگس کی وہ تگ و دَو رہی
نہ وہ سوز ہے نہ وہ ضَو رہی۔ نہ وہ نور ہے نہ وہ نار ہے

نہ شرابِ ہوش ربا رہی
نہ صدائے "ساقیا۔ لا" رہی
نہ وہ میکشوں کی ادا رہی
نہ وہ کیف ہے نہ خمار ہے
مرے رب وہ میری خطا ہی کیا
تو ہے جس سے مجھ پہ خفا ہُوا
میں وہی ہوں مسلم باوفا۔ تجھے مجھ سے کیسا نقار ہے

نہ وہ پہلی سی ہیں عنایتیں
نہ قرار وہ وہ بشارتیں
نہ وہ میٹھی میٹھی حکایتیں
نہ وہ لطف ہے نہ وہ پیار ہے

نہ وہ شوکتِ عُمَرانؑ ہے
نہ وہ دولتِ عثمان ہے
نہ علیؓ کی حیدری شان ہے
ہُوا سب رہینِ مزار ہے

نہ وہ خالدؓ بنِ ولید ہے
نہ وہ فتح ملکِ جدید ہے
نہ وہ دشمنوں کو وعید ہے
نہ وہ رعب ہے نہ وقار ہے

نہ وہ رنگِ فتح و ظفر رہا
نہ عدو کو کوئی خطر رہا
نہ کسی پہ میرا اثر رہا
نہ کسی میں میرا شمار ہے

گئے ہاتھ سے مرے ملک سب
نہیں پاس اپنے رہا کچھ اب
فقط ایک ہیں عجم و عرب
مگر ان کا حال بھی خوار ہے

مرا باغِ دین اُجڑ گیا
مرا کاروبار بگڑ گیا
مرا کارواں ہے بچھڑ گیا
مری آج حالت زار ہے

ترے سچے وعدے وہ کیا ہوئے
کہ جو آج تک نہ وفا ہوئے
نہیں ہم تو تجھ سے جدا ہوئے
تجھے کیوں عدو سے پیار ہے

کیا یہ تو نے پہلے کہا نہیں
کہ کبھی بھی ہو گے فنا نہیں
تجھے یاد بھی ہے کہ یا نہیں
کوئی ہم سے قول و قرار ہے

نہ ہُوا نزول مسیح کا
نہ ہُوا امام ہی رُونما
کوئی آج اپنا نہیں رہا
ظلمات ہیں شبِ تار ہے

یہی شکوہ میرا تھا مشتہر
تو ندا یہ آئی کہ اے ظَفر
تو بگو بمسلم بے خبر
کہ عبث یہ تیری پکار ہے

عہ یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔

میں بتاؤں کیا وہ خطا ہی کیا
میں ہوں جس سے تجھ پہ خفا ہوا
اگر ایک ہو تو میں دوں بتا
نہیں ان کا کوئی شمار ہے

ترے دل میں خوف مرا نہیں
ترے لب پہ حرفِ دعا نہیں
تجھے یاد روزِ جزا نہیں
تجھے اس جہاں سے پیار ہے

تری طرز طرزِ یہود ہے
تری وضع وضعِ ہنود ہے
تو سمجھتا سود میں سود ہے
کوئی تجھ میں دین کا شعار ہے؟

کیا ترک صوم وصلوٰۃ کو
دیا چھوڑ حج وزکوٰۃ کو
گیا بھول وقتِ ممات کو
نہ ہی یاد روزِ شمار ہے

کبھی جائے تو جو سوئے حرم
تو ہزار دل میں لئے صنم
ہے زباں سے کہتا کرم کرم
ترا دل بتوں کا شکار ہے

مری جس پہ لاکھ ہوں رحمتیں
کرے اس پہ لاکھ تو لعنتیں
کروں کیوں میں تجھ پہ عنایتیں
ترا ظلم وجور شعار ہے

جو مری نظر میں لعین ہے
وہی تیرے دل کا قرین ہے
تجھے مجھ پہ خاک یقین ہے
وہی تیرا دلبر ویار ہے

نہیں بھیجا میں نے رسول کیا
کیا تم نے اسکو قبول کیا
ہیں یہی وفا کے اصول کیا
کہ مرے نبی سے نفار ہے

ہے اسی کے دم سے بہارِ دیں
ہے یہی مسیحِ مزارِ دیں
ہے اسی پہ دار ومدارِ دیں
یہی تیرا حصن وحصار ہے

اگر آج بھی اسے مان لو
تو وہ پہلی شوکت وشان لو
نہیں بلکہ دونو جہان لو
یہ ازل سے پایا قرار ہے

نہ تو مجھ کو تجھ سے نفار ہو۔ نہ ترے عدو سے پیار ہے
تجھے بس اسی سے پیار ہے۔ جسے میرے پیاروں سے پیار ہے

اللہ تعالیٰ کا عرش

(گذشتہ سے پیوستہ)

(از مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور۔ بوتالوی)

عرش کے معنے نہاں در نہاں اور مخلوقات سے وراء الوراء مقام کے تو اس آیت پر چسپاں ہوتے ہیں۔ کہ:۔ فاستوی علی العرش۔ لیکن اس کے علاوہ بعض آیات ایسی ہیں۔ کہ اگر بادی النظر سے دیکھا جائے۔ تو یہ معنی اس آیت میں عرش کے معنوں پر صادق نہیں آتے۔ جیسے۔ وکان عرشہ علی الماء۔ اس لئے میں اس آیت کی بھی مختصر تشریح کر دیتا ہوں یاد رہے۔ کہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے انسان کو اس حالت کی طرف توجہ دلانے کے لئے متعدد جگہوں میں اس کو پانی سے تشبیہ دی۔ ہے۔ کیونکہ انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور عربی میں نطفہ کے معنی ہیں۔ تھوڑا سا پانی پس اس آیت میں الماء، سے مراد انسان ہی ہیں۔ اور عرش کے معنے اس سے قبل اقوال آئمہ سے حکومت کے ثابت ہو چکے ہیں۔ اس لئے آیت کے معنے یوں ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت انسانوں پر ہے۔ اور اگر الماء سے مراد انسان نہ لئے جاویں۔ بلکہ پانی ہی مراد لیا جائے۔ تب بھی مطلب صاف ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت پانی پر ہے اور پانی سے ہی ہر ایک چیز بنتی ہے۔ جیسے کہ خود خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ کہ وجعلنا من الماء کل شیٔ۔ پس لازم آیا۔ کہ ہر ایک چیز پر خدا کی حکومت ہے؎

اب رہی یہ آیت کہ جس سے بظاہر ذہن اسی طرف جاتا ہے۔ کہ عرش کوئی مادی شے ہے۔ اور وہ یہ آیت ہے۔ کہ ویحمل عرش ربك یومئذٍ ثمانیة۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے مفسّرین نے تو اس کے متعلق کئی اقوال لکھے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ فرشتے ایسے ہیں۔ کہ ان کے سر آسمان سے ٹکرا رہے ہیں۔ اور ان کے پاؤں نیچے تحت الثریٰ میں ہیں۔ اور وہ بہت قوی ہیکل ہیں۔ اور بعض نے آٹھ سے مراد آٹھ جماعتیں لی ہیں۔ یعنی فرشتوں کی آٹھ جماعتیں یا قطاریں اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھائیں گے۔ اور جتنے افراد ان قطاروں میں ہیں۔ وہ غیر محدود ہیں۔ ان کے شمار کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ غرضیکہ مفسّرین اس آیت کے معنے کرتے وقت بھول بھلیوں میں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ اس کے معنی بالکل صاف ہیں۔ کہ آٹھ سے مراد خدا کی آٹھ صفات ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت ان چار صفات سے وابستہ ہے (۱) رب (۲) رحمان (۳) رحیم (۴) مالک۔ اس دنیا میں خدا کی انہیں چار صفات کا ظہور ہو رہا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ قیامت کے دن یہ چار صفات دوگنی ہو کر آٹھ ہو جاویں گی۔ کیونکہ اس وقت ہر ایک صفت کی اصلیت انسان پر واضح ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ دوگنی قرار دی جاویں گی۔ پس اس آیت کے معنی بالکل صاف ہو گئے۔

کہ دنیا میں خدا کے کام ان صفات کے ظاہری مطالب پر جاری ہیں۔ لیکن قیامت کے دن خدا کے کام ان صفات کے باطنی مطالب پر جاری ہوں گے۔ اس لئے یہ چار دو گنے ہو کر آٹھ ہو جائیں گی۔

پس اے گروہ مخالفین کیوں تیری آنکھوں پر پردے پڑ گئے۔ کہ صداقت کو اظہر من الشمس دیکھ کر پھر تو اس سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔ کیا کسی قرآن مجید کے سرورق پر یہ آیت کا ٹکڑہ لکھا ہوا نہیں دیکھا۔ کہ لا یمسہ الا المطھرون۔ کہ قرآن کے ساتھ مس سوائے پاک طینت انسان کے اور کسی کو نہیں ہو سکتی جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ قرآنی مطالب تک ہماری رسائی صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و المہدی المسعود کی بدولت ہی ہوئی۔ تو ہم کیونکر ایسا خیال بھی دل میں لا سکتے ہیں۔ کہ وہ (نعوذ باللہ) خدا کی طرف سے نہیں۔ اور یہ کہ ان کا تعلق خدا سے نہیں ہے۔ اگر ان کا تعلق خدا سے نہیں ہے۔ تو اس کی کتاب سے کیوں ہے۔ پس جب ثابت ہو گیا۔ کہ آپ کو قرآن سے دلی محبت تھی۔ تبھی تو آپ نے قرآن کی مدح میں دو قصیدے لکھے۔ اور وقتاً فوقتاً کئی اشعار کہے۔ حالانکہ اب تک جب سے کہ اسلام کا وجود ظاہر ہوا۔ کسی ایک شخص نے بھی قرآن کی مدح میں ایک شعر تک نہیں لکھا۔ کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن سے محبت نہ تھی۔ نہیں محبت تو تھی۔ لیکن حقیقی اور اندرونی محبت نہ تھی۔ صرف ظاہری محبت تھی۔ وہ صرف اس وجہ سے کہ اس کتاب کو آنحضرت صلعم خدا تعالےٰ سے لائے۔ نہ کہ وہ محبت جو اس کی خوبیوں کی شناخت کرکے دلی محبت پیدا ہوتی ہے۔ پس غور کرو۔ اور اس وقت کو ہاتھوں سے جانے مت دو۔ جلدی کرو۔ اور آستانہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جمع ہو جاؤ۔ اور خدا تعالےٰ سے اپنی کوتاہی کی وجہ سے معافی مانگو:۔

ملفوظاتِ احمدؑ

ایک شخص کا سوال پیش ہوا۔ کہ اگر آپ کو ہر طرح سے بزرگ مانا جائے۔ اور آپ کے ساتھ صدق اور اخلاص ہو۔ مگر آپ کی بیعت میں انسان شامل نہ ہووے۔ تو اس میں کیا حرج ہے۔ فرمایا بیعت کے معنی ہیں۔ اپنے تئیں بیچ دینا۔ اور یہ ایک کیفیت ہے جس کو قلب محسوس کرتا ہے۔ جب کہ انسان اپنے صدق اور اخلاص میں ترقی کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ اس میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے۔ تو وہ بیعت کے لئے خود بخود مجبور ہو جاتا ہے۔ اور جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ تو انسان سمجھ لے۔ کہ ابھی اُس کے صدق اور اخلاص میں کمی ہے:۔

(ماخوذ از ملفوظات احمد صفحہ ۲۶)

عصمت

عندلیبِ زار نے رو رو کے آنکھیں سرخ کیں
تھا اسیرِ عشق کا دل ہجر میں اندوہگیں
غنچۂ دلبند کھل کر گل ہؤا۔ مرجھا گیا
آہ! آغوشِ فنا میں سو گیا وہ دلنشیں
چاک بلبل کا ہؤا دل نشترِ فریاد سے
مبتلائے پنجۂ حسرت ہؤا قلبِ حزیں
نغمۂ رنگینِ عشرت مرثیہ ساماں ہؤا
ہو گیا زہرِ ہلاہل زندگی کا انگبیں

کون دلجوئی کو آتا مہرباں کوئی نہ تھا
کس کو وہ سینہ بتاتا رازداں کوئی نہ تھا

واقفِ رازِ چمن شبنم نے آخر کہدیا
ہے عبث ماتم سرا تو بلبلِ رنگیں نوا
اے غیورِ پاک فطرت ہوش کر خاموش ہو
تیرا محبوبِ امیں کچھ ہے خبر کیوں چلدیا؟
پھاڑ ڈالا پنجۂ صرصر نے غنچہ کا حجاب
درمیانِ محفلِ گلشن اُسے رُسوا کیا
اختر و شمس و قمر کی آنکھ نے دیکھا اُسے
نرگسِ گستاخ نے اُس کو تماشہ کرلیا
حفظِ عصمت جوہرِ ہر فطرتِ مقبول ہے
اور گہنا ہے یہی ہر نو عروسِ پاک کا

سرکشِ روزِ ازل صرصر حجابِ گل درید
گل متاعِ زندگی دادہ فنائے خود خرید

خاکسار محمد صادق قریشی شبنم سرحدی

خصائص لغت عرب

(از مولوی محمد سلیم اسسٹنٹ ایڈیٹر)

سطح زمین پر انواع واقسام اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والی قومیں آباد ہیں۔ اور اسلام مدعی ہے کہ خدا ہر قوم کا رب ہے۔ پھر دنیا کی تمام زبانوں کو نظر انداز کر کے کامل اور عالمگیر شریعت کیلئے "عربی زبان" کا انتخاب کیوں؟ یہ ایک سوال ہے جسکا جواب ہمارے ذمہ ہے، یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کسی چیز کے انتخاب کے وقت اس کے حسن و قبح اور تمام پہلوؤں پر نظرِ غائر ڈال لینا از بس ضروری ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ "عربی زبان" بلا شبہ اپنے اندر لاجواب حسن رکھتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم جیسی سراپا نعمت کیلئے عربی ہی کا انتخاب صحیح ہو سکتا تھا۔ وبس کیونکہ اسمیں بعض ایسی خصوصیات مرکوز ہیں جو بلحاظ حسن و جمال بیمثال اور اپنی نظیر آپ ہیں۔ کسی دوسری زبان میں ان خصائص کا وجود یقیناً عنقار کا مترادف ہے چنانچہ ذیل میں عربی زبان کی چند خصوصیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ کہ "بیان" ایک اعلیٰ اور اچھوتی نعمت ہے چنانچہ خدا نے اس کا ذکر فرمایا ہے "خلق الانسان علمہ البیان"۔ بحالیکہ خدا تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں انسان کو حاصل ہیں۔ ان سب کا ذکر نظر انداز کر کے نعمت "بیان" کا ذکر کرنا اس علم کی عظمت پر ایک زبردست گواہ ہے۔ پھر "عربی مبین" کہہ کر بیان کے مراتب عالیہ کو خدا تعالیٰ نے عربی کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ اب ظاہر ہے۔ کہ جو زبان علم بیان کا قیمتی ذخیرہ اپنے پاس رکھتی ہو۔ اور اس میدان میں دیگر السنہ سے گوئے سبقت لے گئی ہو۔ یقیناً وہی قرآن کریم کیلئے انتخاب کیجانیکی مستحق ہے۔

اگر کسی شخص کو یہ خلجان ہو۔ کہ دوسری زبانیں بھی علم بیان میں عربی کی ہم پلّہ ہیں۔ تو اُسے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ یہ ایک خیال خام ہے جسکی حقیقت ایک مجنون کی بڑسے زیادہ نہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں اس قدر وسعت ہے۔ کہ ایک مفہوم کو بے شمار مختلف پیرایوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ بحالیکہ غیر عربی میں بمشکل ایک آدھ طریق مل سکیگا مثلاً عربی میں شیر کے مفہوم کو پانچ سو اور سانپ کے مفہوم کو دو سو اسمار کے ساتھ تعبیر کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن کوئی دوسری زبان عربی کی اس وسعت کا لگا نہیں کھا سکتی۔

(۲) مثل مشہور ہے۔ "احسن الکلام ما قل ودل" یعنی بہترین کلام وہ ہے۔ جس کے الفاظ تھوڑے ہوں۔ مگر مطالب کا وسیع ذخیرہ اس میں محفوظ ہو۔ یہ خوبی بھی عربی ہی سے مختص ہے۔ چنانچہ غنیمت۔ یقین۔ ظن۔ وہم شک۔ قَرَب (وہ رات جسکی صبح کو قافلہ نے پانی کے گھاٹ پر وارد ہونا ہو) ایسے الفاظ ہیں۔ جس کے مفہوم کی ادائگی کیلئے دوسری زبانوں کو کئی کئی فقروں کی ضرورت ہے۔ پھر عربی میں صرف حرکات کے تغیّر سے وہ کام نکالا جا سکتا ہے۔ جس کے لئے دوسری زبانیں کئی کئی سطور کی محتاج ہیں۔ چنانچہ حرف خ کو جب خِ کسرہ کے ساتھ پڑھیں

عہ ایسے ہی اونٹ۔ گھوڑا۔ تلوار۔ شراب وغیرہ بھی سینکڑوں الفاظ سے تعبیر کئے جاتے ہیں (مدیر)

تو اس معنے ہوں گے۔ "نہ تیز چل نہ آہستہ بلکہ میانہ روی اختیار کر۔"

(۳) جس طرح بعض اوقات لطیف اشاروں۔ ابروں کی حرکت اور ایک خاص انداز و ادا سے ایک مبسوط مفہوم کو ادا کیا جا سکتا ہے بعینہٖ اسی طرح عربی میں ایسے اشارے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کہا کرتے ہیں۔ فلان کثیر الرماد (فلاں راکھ کے ڈھیروں والا) مطلب یہ کہ وہ بہت مہمان نواز ہے۔ کیونکہ راکھ کی کثرت دلالت کرتی ہے۔ کہ اس کے ہاں کھانا کثرت سے پکتا ہے۔ اور کھانے کی کثرت مہمانوں کی آمد کو مستلزم ہے کیونکہ اس کیلئے کھانیوالوں کا ہونا ضروری ہے

(۴) شاعرانہ کلام کی تاثیر اور اس کی لطافت جو اسے نثر کے مقابلہ میں حاصل ہے۔ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ مگر شعر کی صحت کا معیار "علم عروض" صرف اسی زبان کی ایجاد ہے۔ دوسری زبانوں کے پاس اوزان اشعار کو پرکھنے کے لئے کوئی کسوٹی نہیں۔

(۵) کُنیت کا استعمال کم و بیش تمام قوموں میں مستحسن سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اظہار تعظیم کا بہترین ذریعہ ہے۔ بقول شخصے "اُکنیه حین انادیه لاکرمه - ولا القبه والسوءة اللقب" یعنی میں اسے کسی لقب کے ساتھ نہیں بلکہ از راہ تعظیم کُنیت کے ساتھ پکارتا ہوں۔

(۶) تشبیہ اور مجاز کو جو وسعت عربی میں حاصل ہے۔ وہ غیر زبانوں میں بالکل مفقود ہے۔ حالانکہ تشبیہ اور مجاز اظہار معنے کا نہایت دلآویز پیرایہ ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے "فامطرت لؤلؤاً من نرجس وسقت ورداً وعضّت علی العناب بالبرد"۔ اس شعر میں محبوبہ کے آنسوؤں کو لؤلؤ سے اور آنکھ کو نرگس سے اور رخساروں کو گلاب کے پھول سے اور حنائی پوروں کو عناب سے۔ اور دانتوں کو بوجہ چمک اولوں سے تشبیہ دی گئی ہے ؛

(۷) عربی زبان کا حُسن بے حد دقیق اور پیارا معلوم ہونے لگتا ہے جب اس کے حروف و الفاظ کی وضع میں کسی مقتدر اور حکیم ہستی کی کارفرمائیاں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ اس کے ایک ایک کلمہ۔ ایک ایک لفظ میں خدائی حکمت اور پُر کیف صنعت جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ عربی میں ع - ر - ب - حروف مجموعہ میں ہمیشہ انتقال اور ترقی کے معنے ملحوظ رہتے ہیں۔ خواہ ان کی ترتیب کو عرب - بعر - رعب - برع - بعر - عبر کسی صورت میں تبدیل کر دیا جائے۔ اسی طرح ق اور ض خواہ کسی جگہ اور کسی صورت میں اکٹھے ہو جائیں۔ قطع (کاٹنا) کے معنوں پر ضرور حاوی رہیں گے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

خوفِ طوالت مضمون کی تفصیل میں جانے سے مانع ہے۔ ورنہ خصائص لغت عرب ایک دلچسپ موضوع ہے۔ جس کے محاسن نہایت دلکش اور اس کے استعارات و کنایات کے طریقے بیحد خوش کن ہیں۔ اس لئے ہم جمیع برادران ملّت کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ کہ عربی زبان موتیوں کا ذخیرہ اور عجائبات کا خزینہ ہے۔ وہ لاجواب حُسن اور علم و ادب کا مرقع ہے۔ اٹھیں اور اس سے مستفید ہوں ؛

مشاہیر اسلام

(از ابواللیوث فارغ)

(۱)

اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ تو اس عنوان کے ماتحت تمام مشہور بزرگانِ اسلام کے حالات مجمل طور پر بیان کئے جاوینگے۔ (مدیر)

ابوبکر صدیق رضؓ

زمانہ جاہلیت میں اس جلیل القدر صحابی کا نام عبد الکعبہ تھا۔ زمانہ اسلام میں آنحضرت صلعم نے عبداللہ نام رکھا آپکے والد صاحب کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ ہے۔ آپکو لقب عتیق آنحضرتؐ کے یہ فرمانے کی وجہ سے ملا۔ کہ انت عتیق من النار۔ آپ کا لقب صدیق بھی ہے۔ کیونکہ آپنے آنحضرت صلعم کی فوراً تصدیق کی۔ اور سب سے پہلے ایمان لائے چنانچہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ ابوبکرؓ کے سوا جسکو بھی میں نے دعوتِ اسلام دی اُسی نے درنگی کی۔ اور حسان کہتے ہیں۔ کہ ؎ واول الناس منہم صدّق الرسلا۔ آپ بنی تیم میں سے ہونیکی وجہ سے تیمی بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کا نسب نامہ آنحضرۃ سے مرۃ بن کعب کے پاس ملتا ہے۔ آپ آنحضرتؐ کی ولادت سے دو سال چند ماہ پہلے پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ اپنی قوم میں بڑے پایہ کے آدمی اور معزز تھے۔ اخلاق فاضلہ و حسن سلوک میں یہانتک پہنچے تھے۔ کہ ابن دغنہ نے آپ کو کہا۔ کہ انک تصل الرحم وتصدق الحدیث وتکسب المعدوم وتعین علی النوائب وتقری الضیف۔ آپ انساب واخبار عرب کے پورے واقف تھے۔ دنیا سے بے رغبتی اور پرہیزگاری میں اتنے بڑھے ہوئے تھے۔ کہ جاہلیت میں بھی آپنے کبھی شراب نہ پی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ جب سے سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ یعنی ابتدائے آفرینش سے کوئی شخص انبیاء کے سوا ابوبکرؓ سے افضل نہ ہوا۔ آپ بزاز تھے۔ اور راس المال ....۴۰ ہزار درہم تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد آنحضرتؐ کی مدد میں اس میں سے ...۳۵ ہزار خرچ کئے۔ اور باقی سے تجارت کرتے رہے۔ آپ تادم مرگ آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے۔ جنگ میں آپ کے دوش بدوش مخالفین سے لڑتے رہے۔ اور ان تمام جنگوں میں شامل ہوئے۔ جن میں آنحضرتؐ شامل ہوئے تھے۔ اور اپنی جان سے بڑھ کر آنحضرتؐ کی حفاظت کا خیال رکھا۔ چنانچہ بدر کے دن آنحضرت کی حفاظت کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا۔ آپ ہی تھے جو ننگی تلوار لے کر آنحضرتؐ کی حفاظت کرتے رہے۔ آپ ان غلاموں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے تکلیف دیئے جاتے۔ خرید کر آزاد کرتے۔ یہانتک کہ آپکے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ کہ فاما من اعطی واتقی وسیجنبہا الاتقی وما لاحد من نعمۃ تجزی۔ آپ صحابہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے۔ جو بات کہتے اس کے اندر ہی اسکی حکمت اور دلیل بھی ہوتی

قرآن شریف کو آپ ہی نے بین الدفتین بلاتغیر و تبدل جمع کیا ہے۔ ہجرت اور غار حرا میں بھی آپ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ اور آپ کی حفاظت کی خاطر راتوں بیدار رہے۔ یہاں تک آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ لاتحزن ان اللہ معنا اور یہ آیت اتری۔ کہ ثانی اثنین اذھما فی الغار۔ جب آنحضرت فوت ہو گئے۔ تو لوگوں کو آپکے فوت ہونے کا یقین نہ آیا۔ آپ آئے اور آنحضرتؐ کے روئے مبارک سے کپڑا اٹھا کر بوسہ لیا۔ اور کہا۔ کہ بابی انت و امی۔ بیشک آپ فوت ہو گئے ہیں۔ اب اور کوئی موت آپ پر وارد نہیں ہو سکتی۔ پھر لوگوں سے کہا۔ کہ جو عبادتِ محمدؐ کرتا ہے۔ تو وہ جان لے کہ محمد فوت ہو گئے۔ اور خدا کی عبادت کرنے والے کا خدا اب بھی زندہ ہے۔ اور زندہ رہیگا۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ کہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الخ۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ زمین پر گر گئے۔ اور اُٹھنے کی طاقت نہ رہی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے آپ کو خلیفہ بنایا۔ شروع خلافت میں اکثر عرب مرتد ہو گیا اور زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔ کہ آپنے کس حُسنِ انتظام اور مدبّرانہ طریق سے کام لیکر پھر ان کو درست کیا۔ اور فرمایا۔ کہ اگر یہ لوگ ایک اونٹ کی رسی بھی جو پہلے دیتے تھے نہ دیں گے۔ اور نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے۔ تو میں ان سے ضرور لڑوں گا۔ اور آپ لڑتے رہے جب تک کہ لوگوں کے دلوں میں الاسلام یعلوا ولا یعلی کا نقش قائم نہ کر دیا۔ آنحضرتؐ کی آپ کے دل میں وہ عظمت تھی۔ کہ فتنہ ارتداد اور وقت کے نازک ہونے کے باوجود تمام صحابہ کی رائے کے خلاف اس لشکر کو شام کی طرف روانہ فرمایا جس کو اسپیشل آنحضرتؐ نے تیار کیا تھا۔ اور فرمایا۔ کہ جس لشکر کو آنحضرتؐ نے کسی جگہ کے لئے تیار کیا۔ اسکو ابن ابی قحافہ نہیں روک سکتا۔ انکسار مزاج کی یہ حد تھی۔ کہ اسامہ لشکر لے کر چلے۔ آپ اس کے الوداع کے لئے پیدل گئے اور وہ سوار تھے اسامہ نے آپ کو سوار کرنے پر بڑا اصرار کیا۔ مگر آپ سوار نہ ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ واللہ لا نزلت ولا ارکب۔ ما علیّ ان اغبر قدمی فی سبیل اللہ۔ عراق عرب اور شام کا کچھ حصہ آپ کے زمانہ میں ہی فتح ہوا مسلمان اہل شام سے دمشق میں لڑ رہے تھے۔ کہ محمد بن زنیم آپ کی وفات اور خلافتِ عمرؓ کی خبر لے کر آیا۔ آپ کو آنحضرتؐ کی وفات کا غم دن بدن کمزور کرتا گیا حتیٰ کہ اسی غم میں آپ نے داعئی اجل کو لبیک کہی۔ ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ آپ نے وصیت کی تھی۔ کہ مجھے آنحضرتؐ کے پہلو میں دفن کیا جائے اور اپنے ہی پرانے کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ کیونکہ ان الحی احوج الی الجدید من المیت۔ انتہی۔

عمرؓ بن خطاب

آپ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں معزز اور مشہور بہادر مانے گئے ہیں۔ آپ تاجر تھے۔ آپ کے مسلمان ہونیسے قبل لوگ اہل اسلام کو طرح طرح کے دکھ دیتے تھے۔ اور عبادت سے روکتے تھے۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے آپ کے مسلمان ہونے کے لئے دعا کی۔ تا آپ کے ذریعے اسلام کا غلبہ ہو۔ پہلے آپ آنحضرتؐ کے سخت دشمن تھے۔ اسی دوران میں

آپ کو ایک دن کسی نے کہا کہ جس دین کی تم مخالفت کرتے ہو آج اسی دین میں تمہاری بہن داخل ہو گئی ہے آپ بڑے غصے ہو کر بہن کے گھر گئے۔ اس وقت گھر والے قرآن پڑھتے تھے۔ جب ان کو پتہ لگا۔ تو فوراً قرآن کو چھپا لیا۔ آپ نے اپنی بہن کو اتنا مارا۔ کہ خون بہنے لگا۔ مگر پھر بھی وہ یہی کہتی تھی۔ کہ عمر! تم جو چاہو کرو۔ میں اب اسلام نہ چھوڑوں گی۔ پھر بہن سے قرآن مانگا۔ اس نے کہا۔ کہ ناپاک آدمی اس کو نہیں چھو سکتا حضرت عمر خود قرآن ڈھونڈ کر لائے۔ اور کھول کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا تھا۔ کہ ڈر سے قرآن ہاتھ سے گر گیا۔ پھر اس کو اٹھا کر مختلف آیات پڑھیں۔ یہاں تک کہ امنوا باللہ و رسولہ ان کنتم مومنین تک پہنچے۔ تو اس وقت اشہد ان لا الٰہ الا اللہ . . . پڑھا۔ اور مسلمان ہو گئے۔ آپ اس وقت ۲۶ سال کے تھے۔ پھر آنحضرتؐ سے ملنے گئے۔ آنحضرتؐ نے اپنے پاس بٹھا کر کلمہ پڑھایا۔ اور مسلمانوں کے نعرہ ہائے تکبیر سے مکّہ کی گلیاں گونج اٹھیں۔ کفار نے کہا۔ کہ عمر کے جانے سے ہم نصف رہ گئے! اور یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اب مسلمان بے خطر ہو کر ہر جگہ آزادی کے ساتھ نمازیں پڑھنے لگے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا فتح عظیم تھی۔ اور آپ کی ہجرت محض نصرت تھی! اور آپ کی امارت باعث رحمت تھی۔ اس کے بعد آپ نے وہ نمونہ دکھایا۔ کہ آنحضرت اور اسلام کی مدد اور کفار کے مقابلہ کرنے میں جان تک کی پرواہ نہ کی۔ ہجرت کے وقت سب لوگ مکہ سے چھپ چھپ کر نکل آئے۔ مگر حضرت عمرؓ تلوار گلے میں لٹکا۔ تیر و کمان ہاتھ میں لے کعبہ کے صحن میں آئے۔ وہاں قریش سب کے سب بیٹھے تھے۔ پہلے اطمینان سے طواف کر کے نماز پڑھی۔ پھر ان سے کہا۔ کہ اے ذلیل لوگو! تم میں سے جو اپنی ماں کو بے فرزند۔ بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ بنانا چاہتا ہے۔ وہ اس وقت آئے اور لڑے۔ مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آپ اکثر جنگوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ اور ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ آپ کی رائے کے مطابق قریباً بیس آیات نازل ہوئیں آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ ان اللہ وضع الحق علی لسان عمر۔ کان فیمن کان قبلکم من الامم محدثون فان یکن فی امتی احد فعمر جنگ احد میں ابو سفیان نے اعل ھبل کا نعرہ لگا کر کہا۔ کہ ہم نے بدلہ کا بدلہ نکالا۔ اور اب ہم برابر ہیں حضرت عمر نے آنحضرت کی طرف سے اللہ اعلیٰ واجل کا نعرہ لگا کر جواب دیا۔ کہ ہمارے مقتول تو جنت میں جائیں گے۔ اور تمہارے دوزخ میں۔ یہ برابری کیسی۔ اس کے بعد اس نے حضرت عمر کو بلا کر پوچھا۔ کہ کیا محمدؐ قتل ہوئے۔ آپ نے کہا۔ کہ نہیں۔ اس نے کہا۔ کہ میں تم کو ابن قمیہ سے زیادہ سچا جانتا ہوں جس نے کہا۔ کہ میں نے محمدؐ کو قتل کیا حضرت ابو بکرؓ کے بعد آپ خلیفہ ہوئے۔ آپ تمام خلفاء کے لئے عدالت و خلافت میں کامل نمونہ تھے۔ تمام مصنفین۔ مورخین مانتے ہیں۔ کہ آپ ایک عظیم الشان سیاستدان اور حکمران تھے۔ آپ نے ملک عرب کو مسلمانوں کے لئے خاص کیا۔ اور شام بمع بیت المقدس و عراق

۱؎ بعض تاریخوں میں ہے۔ کہ آپ کی ہمشیرہ نے واپس کرنے کا وعدہ لیکر خود بخود ہی قرآن شریف دیدیا۔ (مدیر)

وفارس و مصر و برقہ وغیرہ فتح کئے۔ بصرہ اور کوفہ کو بنوایا۔ مسجد نبوی اور مسجد حرام کو وسیع کیا۔ علم تاریخ سکہ سازی۔ ڈاک رسانی۔ پیمائش زمین۔ تجارت کو پھیلانا۔ مسافر خانے اور بیت المال بنانا۔ چھاؤنیاں سرحدوں پر اور شہروں میں قاضی مقرر کرنا سب آپ کے فکر کے ایجاد ہیں۔ بالآخر اس پاک وجود کو ایک شخص ابو لؤلؤ نے ۲۳ھ میں برچھی مار کر شہید کیا۔ مرتے دم تک آپ کے چہرے پر بہادری کے آثار نمایاں تھے۔ مرنے سے پہلے فرمایا۔ کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہ ہوئی۔ لوگ روتے۔ اور کہنے لگے۔ کہ کاش ہم سب مر جاتے اور عمرؓ زندہ رہتے۔ آپ نے رونے سے روکا۔ اور حضرت عائشہؓ سے مرقد نبیؐ میں دفن ہونے کی اجازت منگوائی۔ پھر فرمایا۔ کہ اے خدا اگر تو میرے گناہ نہ بخشے۔ تو میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ کہ کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ آپ ساڑھے دس سال خلیفہ رہے۔ اور ۶۳ سال کی عمر میں فوت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ملفوظات احمدؑ

فرمایا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب مسیح آوے۔ اس کو میرا اسلام کہنا۔ اس حدیث کے مطلب میں غور کرنا چاہیئے۔ اگر مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود تھے۔ تو خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ملاقات معراج میں کی تھی۔ اور نیز حضرت جبرئیل ہر روز وہاں سے آتے تھے۔ کیوں نہ ان کے ذریعہ سے اپنا سلام پہنچایا۔ اور پھر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعد از وفات آسمان پر ہی گئے تھے۔ اور وہاں ہی حضرت مسیح بھی ہیں۔ اور حضرت مسیح کو تو خود رسول کریمؐ کے پاس سے ہو کر زمین پر اترنا تھا۔ تو پھر اس کے کیا معنی ہوئے۔ کہ زمین والے ان کو آنحضرتؐ کا سلام پہنچائیں۔ کیا اس صورت میں حضرت عیسیٰؑ ان کو یہ جواب نہ دیں گے۔ کہ میں تو خود ان کے پاس سے آتا ہوں۔ تو تم یہ سلام کیسا دیتے ہو۔ یہ تو مثال ہوئی۔ کہ گھر سے میں آؤں۔ اور خبریں تم دو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت رسول کریم صلعم اور آپ کے اصحاب کا یہی عقیدہ اور مذہب تھا۔ کہ حضرت مسیحؑ فوت ہوگئے ہیں۔ اور دنیا میں واپس نہیں آ سکتے۔ اور آنے والا مسیح اسی امت میں سے بروزی رنگ میں ہوگا۔ اللھم ایدہ وانصرہ واخذل اعداءہ۔ آمین۔

(ماخوذ از ملفوظات احمد صفحہ ۲۷)

قيمة الاشتراك
من سنة كاملة
فى الهند ٨ آنہ روپیہ

الجامعة الاحمدية

تصدر فى ثلاثة اشهر مرّة

قيمة الاشتراك
فى الخارج ٢ روپیہ
فى النسخة ٦ آنے

جمادى الاولى سنہ ١٣٤٩ھ ※ اكتوبر سنہ ١٩٣٠ء

الدُّعَاء

هٰذه كلمات دُعاء سيدنا المسيح الموعود نقلناها هنا ليحفظها الاحبة ويدعوا بها فى صلواتهم

اللّٰهم فاحفظنا من فتنتهم[ل] وبرِّئنا من تهمتهم واخصصنا بحفظك واصطفائك وخيرك ولا تكلنا الى كلاءة غيرك واوزعنا ان نعمل صالحاً ترضاه نسئلك رحمتك وفضلك ورضاءك وانت خير الراحمين۔ ربّ كن بفضلك قوّتى ونور بصرى وما فى قلبى وقبلة حياتى ومماتى۔ واشغفنى محبّة واتنى حُبّاً لا يزيد عليه احد من بعدى۔ ربّ فتقبل دعوتى واعطنى منيتى وصافنى وعافنى واجذبنى وقدنى وايدنى ووفّقنى وزكّنى ونوّرنى واجعلنى جميعاً لك وكن لى جميعاً۔ ربّ تعال الىّ من كل بابٍ۔ وخلّصنى من كل حجابٍ۔ واسقنى من كلّ شراب۔ واعنى فى هيجاء النفس وجذباتها۔ واحفظنى من مهالك البين وظلماتها۔ ولا تكلنى الى نفسى طرفة عين واعصمنى من سياتها واجعل اليك رفعى وصعودى وادخل فى كل ذرّة من ذرّات وجودى۔ واجعلنى من الذين لهم مسبح فى بحارك ومسرح فى رياض انوارك ورضاء تحت مجارى اقدارك وباعد بينى وبين اعيارك۔ ربّ بفضلك وبنور وجهك ارنى جمالك واسقنى زلالك۔ واخرجنى من كل انواع الحجاب والغبار ولا تجعلنى من الذين نكسوا الى الظلمة والاستتار وتناهوا عن البركات والاشراقات والانوار وانقلبوا بعقل الناقص وجسدهم الناكص من دار النعيم الى دار البوار وارزقنى امحاض الطاعة لوجهك وسجود السد وامم

ل اى الاعداء

فی حضرتك واعطنی همّةً نخلّ فیها اعین عنایتك واعطنی شیئاً لا تعطیه الّا لوحیدٍ من المقبولین۔ وانزل علیّ رحمةً لا تنزلها الّا علیٰ فرید من المحبوبین۔ ربّ احیی الاسلام بجهدی وهمتی ودعائی وکلامی واعدابی سحنته وحبره وسبره ومزّق کل معاند وکبره ؛

ضرورة المسیح

(لمولانا صاحبزادہ ابو الحسن قدسی)

یعزّ علی القلم کتابة ما یقاسیه قلبی بل قلب کل من له من حمیّة الاسلام مثقال ذرّة من شدّة الحزن والاسف علی ما اصاب المسلمین من داء العجز والکسل وفساد الرّای والعمل وعلی ما صُبّ علیهم من المصائب المتوالیة والنوائب المتتابعة۔ والسبب لذالك انّهم رغبوا عن تدبر القرآن الذی هو قوام رقی المسلمین وکفایة حاجات السائلین۔ واحدثوا بدعات سیّئة واستخرجوا معتقدات حدیثة فلم تزل الاختلافات الفرعیة تجری بهم حتی تفرق شملهم وتشتت جمعهم۔ فاتبعوا مذاهب شتیٰ وانقسموا الی فرق لا تحصیٰ۔ فصار ما بینهم من التباعد ما بین المشرقین رغم ان کل فرقة منهم تؤمن بالقرآن وتشهد برسالة محمّد خیر الثقلین۔ وقیدتهم سلاسل التقلید وجرتهم الظنون الی ضلال بعید۔ فلم تبق فیهم قوة علمیّة ولا مادة حرّیة اما علماءهم فغلبتهم کثرة الاهواء وشغف الدنیا وشغلهم عن اشاعة دینهم ما عندهم من سجلات الفتاویٰ۔ فعاد الاسلام الی الضعف والخور بعد قوّته وصیته فی البر والبحر۔ ولم یبق له من یقوم بامره ولا من یهتم بشانه۔

فطفق الاعداء یشنّون علیه الغارات ویریدون ان یستروا وجهه بالغشّ والخرافات فاتخذ بزخرفتهم کثیر ممّن غلبتهم الشقوة و سوء الطالع فتبدّلوا الکفر بالایمان وفضلوا حب الاساطیر علی حب القرآن۔ فلا شكّ ان هذا الزمان هو آخر الزمان الذی اخبرنا به النبیّ الصادق المصدوق۔ وقد تمّ فیه ما وصفه صلی الله علیه وسلم

لنا من علامات المسیح الموعود۔ فاناقد ایناان لم یبق من الاسلام الا اسمہ ولا من القراٰن الا رسمہ۔ فان الناس یدعون الاسلام ولا یتصفون بہ ویومنون بالقراٰن ولا یعملون بہ وشاھدنا ان الدجال یسعی بین المشرق والمغرب لتائید الکفر واشاعۃ الکذب۔ وقد کنتم ایھا المسلمون تنتظرون من وعدتم بہ لاصلاح امرکم ونصرۃ دینکم الا انکم کنتم تحسبونہ المسیح المتوفی الذی جاء بالانجیل الی النصاریٰ واللہ سبحانہ وتعالےٰ قد من علیکم اذ اختار لکم من بینکم المسیح الموعود الذی تجلی من ارض قادیان وقد اُعطی شاناً یفوق شان المسیح الاول۔ فما لکم تنکرونہ وقد جاءکم بالحق الصراح وشھدت بصدقہ الارض والسماء۔ اتکرھون ان انعم اللہ علی رجل منکم بالنبوۃ وترضون بان لا تکونوا خیر امۃ۔ ارجعوا الی القراٰن یتبین لکم ان النبوۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وان البعثۃ المحمدیۃ ستاتی مرۃ بعد مرۃ۔ اتقولون باتیان عیسیٰ بعد وفاتہ فما ظنکم باللہ ایغیر سُنتہ و یبدل قولہ۔ فواللہ ان ھذا لھو المسیح المنتظر وانہ لصادق فی کل ما جاء بہ وما ادعاہ ؛

وان من اٰیات صدقہ اطلاعہ بکثرۃ علی امور غیبیۃ تم وقوعھا باوقات معھودۃ معلومۃ وانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اعطی قوۃ کلامیۃ ومعجزۃ بیانیۃ حیث بھر الدنیا باعجاز کلامہ وحسن بیانہ وادھش عقول الفلاسفۃ بقوۃ برھانہ وغلبۃ سلطانہ۔ وانہ قد اظھر الاسلام علی غیرہ من المذاھب۔ وانہ فتح ابواب العلوم الروحانیۃ وکشف عن وجوہ الاعجاز القراٰنیۃ۔ ورد قول من یقول بنسخ بعض اٰیاتہ واوضح غوامض اسرارہ وبین مطالع انوارہ۔ وانہ قد اسس جماعۃ المومنین فیھا نفوس طیبۃ کامثال الصحابۃ یجاھدون فی سبیل اللہ بانفسھم واموالھم ینفقون احب الاشیاء عندھم نصحاً للاسلام والمسلمین ؛

فاسرعوا الیہ ایھا الناس جمیعاً فانہ ارسل الیکم لیصلح بینکم ویجمع شملکم وتکونوا قوماً صالحین۔ ھذا۔ وقد قلت لکم قول ناصح امین۔ والحمد للہ علی ما ھدانا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔

القصیدة

العجیبة بالصنعة الغریبة،

المنقوطة وغیر المنقوطة

(لمولانا المحترم غلام رسول راجیکی)

بفیض نبيّ یجذ بن بنفخة	اذا الله عهدا لصّور للرّوح والعطاء
نبيّ بخيّ نخبة بتنقّب	وسمّاه احمد مرسل الرّسل للورا
غنيّ بفیض یغنین ببغیة	هو الله معط والعطاء لاحمد ا
شفیق فینجی یشفقن بتنقّذ	مؤاس وهاد للصراط مسدّدا
تقيّ نقيّ شیخ شیب بفتیة	رسول ومأمور وداع الی الهدیٰ
نجیب ینیب تیقظاً بتنشّب	الی الله مولاه الودود لما دعا
شفيّ فشذّ تجنّباً بتشتّت	واهلکہ سمّ المساوء والعماء
ببغض نبيّ یقشفن غضیضة	عدوّ حسود حسّه السوء والهویٰ
خبیث بخبث یفزغن بخیبة	اذا السوء للمحمود عکساً لما رآی
بذيّ بشین بیبغین غثیثة	له اللوم والالام والطرد والردا
نذب بذيّ نتنین بفتنة	علی ما هدی المحمود لله حامدا
بزيّ نبيّ زینة في بقیّة	وحلّاه حلل الرّسل والملل کلّها
ببیّنة یقضي قضیّة بغیة	کلام له کالماء اروا له الصّدا
بغیث بتنجیة یفیض بجنّة	وهاد الی دار السلام کاحمدا
بفتنة قین بیتغي بتخیّب	لحدّاد دور العمر سوء ومرصدا
تقيّ شقيّ بغتة بتبیّن	هو الامر محّص صالحاً طالحاً معا
یقین یقي شیئاً فشیئاً بخشیة	وکالداء عد السوء والروح کالدوا
یذیب یقین في یقین بخیبة (موت)	هوی المرء ما للرّوح کالسم والردی

النبوة فی الاسلام

(لمولوی عبد القادر البلوصی متعلم جامعہ احمدیہ قادیان دار الامان)

قد جرت عادة كتّاب هذا العصر انهم اذا علوا متون الجياد فی مضمار الكتابة و كتبوا المقالات لنشرها فی الجرائد كان اكبر الأغراض لديهم ان يصل صيتهم الى اقصى البلاد. فيعدلون عن مرامهم تمويها للكلام. خصوصًا فی موضوع "النبوة فی الاسلام" فرائيت اكثرهم جالوا فی الميدان ووزنوا بالميزان لكن ما سعوا حق السعی ولم يزنوا بالقسطاس المستقيم فلذلك رجعوا خائبين صفر اليدين. لانهم ما فهموا حقيقة النبوة واغراض بعثة الانبياء فلم يتبين لهم البحث عنها.

فينبغی لطالب البحث عن النبوة ان يعلم معناها من كل جهة واقسامها مع الشرائط واغراض بعثة الانبياء الى الدنيا. لأن مفهوم النبوة مختفٍ على اكثرهم وفاتت منهم الحقيقة. فطفقوا يظنون ان النبوة هی شیٔ فوق الادراك ولا يكاد يحصل لبشر بعد رسول الله. لان النبی هو الذی يغير احكام الشريعة السابقة من غير ان يكون تابعًا لنبی ويستدلون بقوله تعالى "وما ارسلنا من رسول الا ليطاع بإذن الله" بيد ان النبوة درجة من مدارج الايمان يجدها الانسان باماطة الانانية وترك اهوآء النفسانية معتصمًا بحبل الله اعتصامًا فالنبی فی الشريعة الغرّاء من تكلم مع الله بطريق المشافهة والمخاطبة وظهرت على يديه الخوارق. وفی اصطلاح العوام ان النبی هو الذی يُنبئ عن انباءٍ تشتمل على انحطاط القوم ورقاتهم. وليس هناك شرط تغيّر الأحكام وترك اتباع الانبياء كما زعموا. والمراد بقول الله تعالى "وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله" يعنی وجبت طاعته على الناس ولم يبعثه الا ان يتبع. ومن قال غير ما قلت فقد اخطاء فی معناها حيث تجد فی آيت من القرآن "انا انزلنا التوراة فيها هدى ونورٌ يحكم بها النبيون" فلو كانت النبوة موقوفةً على ترك الاتباع لما قال النبی صلى الله عليه وسلم "لو كان موسٰى وعيسٰى حيّين لما وسعهما الا اتباعی" ويلزم الانكار عن آية القرآن لما يظهر منها اتباع بعضهم بعضًا.

واما غرض بعثة الانبياء هی الانذار والتبشير كقوله "انا ارسلناك بالحق بشيرًا ونذيرًا"

وکلا الامرین لازمانٍ من البدایة الی النهایة یعنی من خلق آدم علیہ السلام الی یوم القیامة
لان طبائعهم المعوجة مفتقرة الی مصلح یصلحهم طوراً ببشارة رضاء الله ونعمه وتارة
انذار سخط الله وغضبه۔ فان الله لم یترک امةً الا وارسل الیها نبیاً لئلا یبقی لهم علی الله
حجةٌ بعد الرسول ویقولوا لولا ارسلت الینا رسولاً نتبعهٗ ونهتدی به سُبُل السلام۔
کقوله "وان من امّة الاخلا فیها نذیر۔ ولقد بعثنا فی کل امة رسولا" فثبت ان غرض
بعثة الانبیاء هی اصلاح نفوسهم لانهم یفتقرون الی التربیة الروحانیة ولا یهتدون بغیرها؛
اما اقسام النبوّة هی ثلثة۔ فالاول هی النبوة التامة الحامله لوحی الله والشریعة
وقد سُدّ بابها مطلقاً۔ اذ مثل هذه النبوة لا تکون الا اذا کانت الشریعة الاولی ناقصة
یقتضی الزمن تغییر احکامها لکن الله یشهد بکون القرآن کتاباً کاملاً ووحیاً صادقاً کقوله
"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً" فلا یحتاج
الی شریعةٍ جدیدةٍ۔

واما الثانی۔ فهی النبوة التی یحصل علیها الانسان مباشرة من غیر اتباع نبی قبله وقد
اوصد بابها ببعثة النبی صلعم لان افاضته الروحانیة تفوق علی افاضة کل الانبیاء
فیمکن للمجاهد فی سبیل الله ان یفوز فی اتباعه بدرجة النبوة بخلاف متبعی غیره من الانبیاء؛
والصنف الثالث من النبوة لیس بمنقطع الی الابد وهذا هو القسطاس الذی یمتاز
به علی سائر الانبیاء۔ وکیف الانقطاع؟ بعد ان الله امرنا بطلب الهدایة الی الصراط
المستقیم صراط الذین انعمت علیهم وفسّر الانعام بقوله المبارک "ومن یطع الله و
الرسول فاولئک مع الذین انعم الله علیهم من النبیّن والصدیقین والشهداء الخ"
فلو کانت درجة النبوة شیئاً لا ینال مطلقاً لما ذکر الله النبوة انعاماً لکل مطیع کامل لکن
الآیة دالة بالصراحة علی ان کل من یطع الله والرسول یجد حسب طاعة درجة من
المدارج المذکورة والنبوة من جملتها؛

۔ لکن من غریب ما یعاین من احوال المنکرین من النبوة انهم اکتفوا علی بعض تاویلاتٍ
رکیکةٍ وآراءٍ ضعیفةٍ ولیس عندهم دلیل یأتون به علی دعواهم غیر کونه "خاتم النبیّن"
ویعنون به انه ختمت به النبوة ولا یاتی نبی بعده من ای صنفٍ کان۔ فلو سلمنا معناهم
هذا فلا یثبت دعواهم ایضاً مع هذا الاعوجاج۔ لانه صلعم یتصف بالخاتم علی وجهین؛

(۱) اما ان یختم نبوۃ من قبلہ کما انقطعت نبوۃ ابراھیم ببعثۃ موسیٰ علیہ السلام فکان الواجب ان تنقطع نبوۃ عیسیٰ علیہ السلام ببعثتہ لکنھا جاریۃ عندھم مع انہ من الانبیاء السابقین (۲) واما ان یختم نبوۃ من یأتی بعدہ وھذا ایضاً خلاف لزعمھم ان عیسیٰ بن مریم حي علی السماء الثانیۃ ویاتی نبیاً علی رأس المائۃ بعد الف وثلاثمائۃ ؛

اقول اولاً۔ لوکان المراد منہ ما زعموا ولیس ھناک معنیً آخر فاَیّ فخرلہ علی سائر الانبیاء۔ وای دلیل لدیھم علی کونہ افضل الانبیاء۔ لان الذی یجیئ متاخراً لایلزم کونہ افضل ممن تقدمہ بل ھو اقلھم منزلۃً واقصرھم درجۃ لانھم فتحوا ابواب النّبوۃ وھذا مخلفھا وسیاق الایۃ وسباقہ یدل علی ان اللہ اراد بقولہ ھذا لیثبت فضیلتہ علی جمیع الانبیاء ۔ فالمعنی الصحیح لدینا للفظ الخاتم انہ قد یستعمل فی اللغۃ العربیۃ لاظہار الکمال کما یقال فلان خاتم العلماء وامرؤ القیس خاتم الشعراء وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضی اللہ عنہ " انا خاتم الانبیاء وانت یا علی خاتم الاولیاء " فیدل ان الکمال الحقیقی خُتِمَ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا یاتی احد بعدہٗ الا مصبوغاً بکمالاتہ وان ادعی احد انی رسول ولیس علیہ ختم تصدیق رسول اللہ لا یعد رسولاً صادقاً بل ھو کذاب ملحد ومزاحم لکمالات النبی - وحقیقہ والختم ایضاً ھی تلک الحلیۃ التی تلبس فی الاَصبعِ تفید الزینۃ ۔ فکانہ صلعم زینۃ الانبیاء ومصدقھم لانہ لولم یبعث لم یکن امکان احدٍ ان یثبت نبوۃ الانبیاء وما کان لنا ان نؤمن بہم فبھذا المعنی ھو خاتم لمن یاتی بعدہ کما ھو خاتم للمتقدمین فاقول علی طریقۃ النصیحۃ لمتطفلی موائد الشریعۃ ان یرحموا انفسہم وغیرھم من خلق اللہ فلا یوقعوھم فی المھالک المتلفۃ بطلب تاویلات یشتھونھا لاثبات دعاویھم ؛

الم یأن لابن مریم ان ینزل

(للمولوی ظھور الحسن متعلم الجامعۃ الاحمدیہ)

وقد باری الحدو بعزم حرب ※ فیا رزنا فیا قوم یدادی

ابشرکم یا معشر الاخوان بنزول مسیح ھذا الزمان. وادعوکم یا مجمع الخلان الی تصدیقہ بالخلوص

والایمان - ان العلامات کلها قد ظهرت بفضل الله المنان - وبدت الآیات علی شاکلتها بعنایات الحنان - ولمع البرق وبهر الفرق بین حق وباطل کالفرق بین متحل وعاطل فاسئلکم یا امة سید الانس والجان - هل بقیت علامة لم تظهر الی الآن افلا تتدبرون القرآن - فیزیل شبهاتکم ویسقیکم کاسات العرفان - فما لکم لا تتقون الله الذی کل یوم هو فی شان - اما شاهدتم ان الشمس والقمر قد خسفا فی رمضان - ورأیتم ان القلاص ترکت والعشار عطلت والبحار فجرت والصحف نشرت ویاجوج وماجوج وافواجهما قد اخرجت والجبال دکت ومقدمات الساعة قد ظهرت والفتن کملت والارض زلزلت والسماء انفجرت والامراض کثرت وشاعت وتداعت والنفوس هلکت وضاعت وفتنة الدجال احاطت -

"احاط الناس من طغوی ظلام - علامات بها عرف الامام - فلا تعجب بما جئنا بنور بدت عین اذا اشتد الاوام" - اما ذقتم مرارة الطاعون الذی هو علامة هذا الزمان - کیف یرمی بشررته فعص الانسان حتی لا یرجوا بالدواء الامان - وهل یمکن الفرار منه یا فتیان - وقد بسط جناحه علی جمیع البلدان - فیا عدو الحجی لا تجعل نفسک ضحکة لاولی النهی أتنکر ضرورة امام - وقد انقضی من مائة سنة قریب من نصفها -

فیا عامة المسلمین بالله خبرونی أتجدون فی هذا الزمان اماما وهادیا - یهدیکم الی الحق ومرشدا یرشدکم الی الصواب وحکما یحکم بینکم بالعدل وسراجا یخرجکم من الظلمات الی النور غیر سیدنا میرزا غلام احمد القادیانی افلم یأن لکم ان تحفدوا الیه مطیعین وموقنین وتجتمعوا الی بابه منیبین وتائبین وقد شاهدتم ان الله شهد علی صدقه وعلو قدره بآیات ظاهرة وخوارق باهرة ومعجزات کثیرة اما ترون ان الصلیب قد کسر بالدلائل لا بالسهام والنبال کما هو اعتقادکم من سوء الحفظ والضلال وان الخنازیر قد قتلت بضربة سیف البیان والتبیان لا بالسکاکین والسنان -

فیا اولی الابصار لا تستعجلوا فی تکفیره کالفجار - بل بادروا الی تصدیقه کالصلحاء الاخیار واطلبوا رضوان ربکم بالتوبة والاستغفار - وتوبوا توبة الاخیار الابرار کی یرحمکم الغفار - وکان نصیحة لله فرضا - فقد بلغت فرضی بالوداد :

فی مدح سیّدنا الامیر ایّدہ اللہ

(للمولوی یوسف شاہ - مولوی فاضل)

جاءَ الزمانُ بفاضلٍ قصُرت علو — مُ الفاضلين ونسُنهم قُدّامهٗ
فضلُ الالهِ بيمينه وبيسارهٖ — نصرُ الملائكِ خلفهٗ وامامهٗ
مَضَغَ الاعادى عودةً فتيقّنوا — اَن لا مناصَ لِمَن اثار حسامهٗ
كم مِن فسادٍ مُهلكٍ كلَّ الورٰى — انسى المحبَّ حبيبهٗ وغرامهٗ
تتخاذلُ الاقدامُ فى ظلماتهٖ — فيه بدى البطلُ الكمىّ حمامهٗ
نظرَ الاميرُ اليه نظرةَ حازمٍ — وسما اليه مكبّرًا افنا انامهٗ
عضَّ العدوُّ بنانه لمّا رأى — لا ينفعُ الاقدامُ فيما رامهٗ
حَذَمَ العدوُّ اساسَ عزِّ نبيّنا — فغدا اليهِ مشمّرًا واقامهٗ
امكفّرَ الاسلامِ صرتَ موحّدًا — وتركت شركك لو سمعت كلامهٗ
نِعمَ الخليفةُ للورى مَن بشّر الله — بهٖ قبل المسيحُ انامهٗ
نِعمَ الخليفةُ من هو ابن نبيّنا — بئسَ القنيفذُ من اراد مقامهٗ
تتحيّرُ الاحلامُ فيما نالهٗ — نظرَ العدوُّ فما اطاق قيامهٗ
صلّى الاله على الخليفةِ دائمًا — وعلى ابيهِ وآلِهٖ وادامهٗ

الحركة الاحمدية

(لمولانا چراغ الدين - المبشر مولوى فاضل قاديان)

لا يخفى على من له ادنى بصيرة بان دعوة الاحمدية شرعت فى زمن قد خربت اعتقادات الناس كلهم أكان علماءهم او جهلاءهم كبارهم او صغارهم واسودت قلوبهم وشاهت وجوههم وقست طبائعهم وافلت الشمس هداهم وفسدت تصورانهم كانها ليل مظلم وخفيت عليهم مسالك عارفيهم وخرج الايمان من قلوبهم وملئت من

الاثام نفوسهم - وانها تكسر جذور الوثنية وتصول ضراغمها على جميع الطوائف التى سواها وترد المخالفين على اعقابهم خاسرين وخائبين حتى عملت فى نفوسهم ما عملت الى ان شهدت اعداء هذه الحركة على عجزهم باشاعتهم المقالات المتتابعة فى جرائد العالم كلها وها انا آت بواحدة منها على وجه الاختصار والايجاز ليعلم كل من لم يعلم حقيقة هذه الطائفة ولم يصل الى غور بحرها المتلاطم

كتب القيس زويمر الذى يعد من اكبر اعظاء الطوائف التبشيريه المسيحية فى العالم فى مجلة (جرج مشنرى لندن) ما تعريبه -

واقرب لفت نعت بها قاديان انها خلية نحل - كل من فيها مشتغل فى تبليغ الاسلام ونشره على حسب طاقته وقوته - ولسنا ننفعل عن رزم الاوراق فان هذه الرفوف تنبئ عن المستقبل العظيم الشان - وهنالك مخازن اخرى مملوءة بالكتب المنحرقة وما اصح وصفها بمخزن الاسلحة المعد لجعل المستحيل ممكنا واذا تطلعتم على اعتقادهم الراسخ فى نفوسهم المتغلغل فى قلوبهم فانكم تجدون عزائم تدك الجبال وتنزل العصم عن قنن الاجبال ؛

كمثل هذا الشهادة التى تنبئ عن عظم الحركة الاحمدية وتشير الى ان هذا الطائفة تصعد فى اسرع وقت الى اعلى درجات الرقى اكثر من ان تعد وتحصى عن الاعداء انفسهم والفضل ما شهدت به الاعداء ؛

حكمة استقبال الكعبة فى الصلوٰة

من الرسالة الحميدية لحسن افندى

وشرطت للصلوٰة استقبال المصلى جهة الكعبة لان العبد خلق ذا جهات الوفاقها عند اداء اعماله وهى الامام والخلف واليمين والشمال والفوق والتحت فلو فوض اليه امر الاستقبال وخير فى اى جهة اراد عند اداء هذه الصلوٰة التى يطلب فيها حضور القلب مع الله تعالى وجمع الضمير فى خدمته تعالى لغلب على

نفسه لاضطراب والحيرة فلا يدرى اىّ الجهات هى اقرب واوفق لاقبال مولاه عليه واجابة دعاءه فلطفاً من الله تعالى وتنزلاً لحقل العبد ولفطرته التى فطر عليها عيّن له فى توجهه جهة الكعبة المكرمة التى هى بقعة من الارض شرفها الحق وكرمها وله ان يفضل مايشاء من ملكه اذ هو الفاعل المختار والمالك المطلق وسماها بيته وهو سبحانه غنى عن المكان ومنزه عنه وبهذ التعيين يجتمع قلب العبد عند مناجاة ربه وتطمئن نفسه بانه استقبل افضل الجهات واقربها واوفقها لاقبال ربه عليه وحظوته باجابة دعاه فقد تبين ان الصلاة وماتحتوى عليه من نحو ركوع وسجود يقصد بها جناب الحق تعالى عند استقبال الكعبة وليس المقصود بها الكعبة فان الشريعة تحكم على من يقصد بسجود غير الله تعالى بالكفر والعياذ بالله تعالى - فتوهم قصد الكعبة بتلك العبادة يعد من اقبح الجهل الفاحش ::

تفسير سورة تبّت يدا

(لمولانا المحترم غلام رسول راجيكى)

اعلموا ايها الاعزه ان هذه السورة وضعت فى سلسلة السور ترتيباً بين سورة النصر والاخلاص وانها مكية فى ترتيب النزول ووضعت بعد المدنيّة وقبل المكية فى ترتيب الوضع ولها تعلقٌ بمعناها بسورة من قبلها وبسورة من بعدها فوفاقها وربطها معنىً بالسورتين المختلفتين بترتيب النزول والوضع معجزةٌ عظيمةٌ للمتدبرين وآية من آيات الله للمتفكرين وتفصيل هذا الاجمال ان سورة النصر وتبت يدا يربط ماسبق من الكلام نتيجة لما وعد الله نبيه ورسوله المصطفىٰ فى سورة الكوثر بقوله تعالى انا اعطيناك الكوثر وان شانئك هو الابتر فالمراد بالكوثر بقرينة مايوجد ذيباً فى الوعد الثانى كثرة الجماعة فوعد الكوثر بشارة من الله لكثرة جماعة المومنين وزيادة امة سيد المرسلين وظهور هذا الوعد كان متعلقاً بظهور نصر الله وفتحه فانجز الله ماوعد وذكره نعمةً من عنده فى سورة النصر فقال اذا جاء نصر الله والفتح ورأيت النّاس يدخلون فى دين الله افواجًا - فدخول الناس فى دين الله افواجاً - انما هو الكوثر الموعود - فان الافواج لكثرة هجوم الناس كوثر والافواج جمع فوج والجمع يفيد هنا الاختلاف

اجناس الامم - ویدخلون بصیغة المضارع یفید لزمن الحال والاستقبال والاستقبال لدوام الشریعة المحمدیة یفید لآخر ایام الدنیا ویوم انقطاعها فیدل بهذا المعنی علی الاستمرار فظهور الوعد یکون علی الدوام وبالاستمرار ونموذج انجاز هذا الوعد فی زمن حیٰوة رسولنا المصطفیٰ علی معنی الحال مع کون الاسباب مخالفةً کان علی صورة الاعجاز وخرق العادة فسورة النصر کانت مصداق ما وعد سبحانه فی سورة الکوثر لظهور الکوثر واما سورة تبّت یدا بانجاز وعدہ تبت یدا ابی لهب وتب ما اغنی عنه ماله وما کسب وکل من کان عدوا للنبی بصفة ابی لهب ومشتعلا بنار غیظ وغضب تبت یداه وتب والمراد بیدیه قوة ماله وقوة نفسه بما کسب لعونه ونصره لیجعل النبی فی مرامه بیدیه هاتین خائبا وخاسرا - فاظهر الله ما وعد فی الکوثر وجعل عدوّ النبی هالکا وبتبابه ابتر حیث ما اغنی عنه ماله وما کسب فظهر الترتیب بین سورة النصر وبین تبت یدا علی ترتیب الوعدین الذین یوجدان فی سورة الکوثر واما کون سورة الکافرون بعد سورة الکوثر وقبل النصر فی معنی الاستقامة والاستقلال لما امر الله للصلوٰة والنحر من قبل فی سورة الکوثر خلاف ما فعل المکذب بالدین کما ذکر الله قبل الکوثر فی سورة الماعون فامر بقل یاایها الکافرون من یعبد الله بالصلوٰة والنحر الی قوله لکم دینکم ولی دین وکرر القول بقوله لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد فقوله اولاً فی رد ما یعبدون لغیر الله وثانیا لما ینحرون لغیره وذکر فی سورة النصر بهذا الترتیب للذی یصلی لربه وینحر فهذا الدین ینفعه بنصر الله وفتحه لقوله ولی دین واللام فی ولی للافادة - والدین الذی هو یفید حقیقةً وینفع فذلک الدین الذی یصلی فیه لرب الخلق وینحر له والامر للصلوٰة والنحر بین الوعدین من وسائط حصول المرام وانجاز وعد الکوثر وکون الشانئ ابتر - لان الصلوٰة فی موقعه الاستفاضة لقوله تعالیٰ واستعینوا بالصبر والصلوٰة والنحر مقام الافاضة لقوله تعالیٰ لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین وقوله عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم - والصلوٰة حقٌّ لله والنحر حق للعباد والصلوٰة بالاستعانة والاستمداد واسطة لحصول الکوثر والنحر نهایة ایثار للخلق وخدمةً هو واسطة لکون الشانئ ابتر۔

فسورة الکافرون دعوة النبی وتبلیغه للکافرین - وتنبیه علی ما یشرکون بالله علی سنة المرسلین وسورة النصر لقوله ولی دین نتیجة وثمرة لما ادی الاستقامة والمجاهدات لله بالدعوة والتبلیغ بظهور النصر والفتح من عند الله ؎

فلما ظهر تعلق سورة الکافرون بسورة من قبلها ومن بعدها - فثبت ان سورة الکافرون لا تزاحم

ما اردنا من قبل من تعلق النصر و تبت یدا بسورة الکوثر بل تو ید امرا بیناه و اسطة لہ فالحمد للہ علی ذٰلک والحمد للہ رب العالمین ٭

والاٰن نذکر شیئًا فی تفسیر سورة تبت یدا بتعلقہا و ارتباطہا بسورة من قبلہا و بعدہا فقط ای سورة النصر التی ھی قبلہا و الاخلاص التی ھی بعدھا و وضعہا بعد النصر و قبل الاخلاص تدل علی معنی لطیف بھذا الترتیب عند المتدبرین العارفین ٭

وھو ان اللہ اذا انزل سورة النصر و ذکر فیہا ان النصر الموعود الذی قیل فیہ ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلہ ، والفتح الموعود الذی قیل فیہ انا فتحنا لک فتحًا مبینا ۔ انہما تحققا کما وعدھما و قال فی اثرھما و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجًا و قال بعد ذٰلک فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابًا ۔ فاشار سبحانہ بذٰلک الی ان رسول اللہ اتم امرہ و اکمل ما امر بہ من الدعوة والتبلیغ و اشاعة الرسالة حتی رای نتیجتہا و ثمرتہا و برکتہا فی صورة دخول الناس فی دین اللہ افواجًا ۔ فامر للتسبیح بحمد ربہ شکرًا لہ علی ما وفقہ لذٰلک و رزقہ فوز المرام بقبول الناس فی دین اللہ الاسلام و لما انزلت سورة النصر فھم الصدیق خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان وقت رحلة رسول اللہ قد قرب لتمام امرہ و مرادہ و حصول المقصود الذی کان مبعوثًا لہ فاغتم بذٰلک و بکی لان ھذہ السورة کما تدل علی حصول المرام و المسرة بہ کذٰلک تدل علی مفارقة الرسول و الھم و الغم بفرقتہ و الامر بالاستغفار بقولہ تعالی واستغفرہ اشارة الی ان الذین یدخلون فی دین اللہ افواجًا یدخلون مع انواع الضعف و النقائص و اشار بقولہ انہ کان توابًا الی ان اللہ باستغفار نبیہ یکون توابًا علی الامة فی حیوتہ و بعد مماتہ عند الضرورة الدینیة و حاجة ملیة فھذا البشارة للنبی لیطمئن قلبہ بذٰلک کما قال مبشر المسیح الموعود فی وحیہ قبل وفاتہ اللہ یحمل کل حمل ۔ و الحمد للہ علی ذٰلک و الحمد للہ رب العالمین ۔ ثم قولہ تعالی واستغفرہ یدل علی الانذار لما یستغفر لہ کما یدل قولہ تعالی انہ کان توابًا علی البشارة لکونہ توابًا علی الامة لجبر ما یفوت عنہا و اصلاح ما یظھر فیہا من الفساد و فی ذٰلک اشارة الی بعث الخلفاء الراشدین المھدیین و المجددین لدین الامة کالمامورین المصلحین ٭

فالامر المنذر الذی کان اشد انذارًا و فتنة بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ کان فتنة الدجال و الفتن غیرھا فکلہا دونہا ۔

فلذٰلک وضعت سورة تبت یدا علی الحکمة العظمی بعد سورة النصر لیدل الامر علی

ان الدجال الذی التهبت نار فتنته وتاججت وفی الاطراف تطایرت هو ابو لهب فی ذکره بصفة ابی لهب اشارة الی انه یکون لکل فتنته عظیمة ونارها کالاب للمولود - وکالمبدأ للشر الموعود - و الی انه یستعمل فی صنائعه وبدائعه النار بالکثرة وما من امر یوجد فی صنعته الا وفیه یستعمل النار لسرعة العدّة ؛

وذکر الله سبحانه فی قوله تبت یدا ابی لهب وتب ما اغنی عنه ماله وما کسب ان فتنة الدجال الذی هو ابو لهب تکون بسبب ماله وما کسب وجعل له هذین الامرین کالیدین له فاشار بید له الی کثرة ماله کما یوجد فی اللغة ان الدجال هو الذهب والذهب هو المال والدجال ایضا طائفة عظیمة تحمل المتاع للتجارة ثم الدجال من یلبس الحق بالباطل - واشار بید له اخری الی ما کسب ذکر سبحانه بما کسب عظمة صنائعه العجیبة وعلو بدائعه الغریبة لان لفظ ما فی ما کسب یدل بابهامه وعمومیته علی العلو والعظمة ولما کان ذکر الدجال بکونه ابا لهب دالا علی شدة الانذار والخوف لفتنته الصماء فبشر الله سبحانه بکونه توابا باستغفار نبیه ان الدجال وان کان عظیم الفتن والخوف والخطر لکن تبت یداه وتب ما اغنی عنه ماله وما کسب فذکر تبابه تعریضا بفتنته بشارة وتسلیة للخائفین ؛

وبین صورة تبابه بان الدجال سیصلی نارا ذات لهب لانه اجّج نار الفتنة بکونه ابا لهب فالفتنة تضر نفسه ونار فتنته تحرقه - واشار سبحانه بقوله وامرأته حمالة الحطب فی جیدها حبل من مسد الی ان الذین هم للدجال فی اعانته باضرام نار فتنته کانهم له امرءة حمالة الحطب - کما ذکر الله سبحانه تشبیها ان الکفار بکفرهم بعد دعوة المرسلین وردهم ایاها کامرءة نوح وامرءة لوط - فکون الکفار کالمرءة تشبیها او استعارة یثبت بالقرآن فلا ضیر ولا غیر فالحطب وقود النار لتوقدها وشدة اشتعالها والتهابها ؛

والدجال هم قوم النصاری فمنهم من فتنته للدین وهم القسیسون ومنهم من فتنته للدنیا وهم غیر القسیسین وهم المترفون الذین قیل فیهم فتحت یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون ویسیحون فی الارض ویطؤنها باقدام السیاحة والدجل وانواع المکائد والمصائد فحق ما قیل ما من ارض الا یطؤها سوا ارض مکة والمدینة فان الملئکة یحرسونها ای صیانتها تکون باسباب الغیب لا بالظاهر کما لا یخفی ؛

ولما کانت فتنة الدجال للدین اکبر الفتن وفتنة الدنیا دونها فلذلک جعل دجال فتنة الدین ابا لهب ودجال فتنة الدنیا امرءته حمالة الحطب ؛

وفتنة الدجال للدين دجل القسيسين بانهم جعلوا التثليث مقام التوحيد وبدلوا التوحيد
بالثالوث وجعلوا المسيح ابن الله وهو ابن مريم وجعلوه الهاً وهو انسان وجعلوه خالقاً وهو مخلوق
وجعلوه متصفا بصفة الالهية ثمّ قالوا انه مات على الصليب وجعلوه محل الموت خلاف الشان
الالهية فان الاله هو الذي لا يموت والذى يموت فانه ليس بالٓه ويقولون ان المسيح لله مقرب
ومقبول ثم يقولون انه مصلوب ملعون ويقولون ان الشريعة للنجات ثم يقولون انها لعنة و
حرمان من البركات ففتنة الدجال للدين كما ذكرنا هى اكبر الفتن واصل الفتنة بعظمتها وشدتها
فتنة الدجال للدين واما فتنة الدجال للدنيا فهى بالنيابة منها بالاعانة فلذالك جعل الله
سبحانه دجال فتنة الدين ابالهب ودجال فتنة الدنيا امرءته حمالة الحطب قال فى ابى لهب
تبت يدا ابى لهب وتب اى ان الدجال من القسيسين يتب ويهلك كما قيل ان المسيح الموعود
يأتى ويقتل الدجال وقيل فى مقام اٰخر يقتل الخنزير فجعل الدجال خنزيرا۔ كما قال سبحانه فجعل
منهم القردة والخنازير وقال هذا لفتنة اليهود وفسادهم لكونهم متخلقين بالاخلاق الذميمة
كالقردة والخنازير فمثل هذا قيل للدجال انه خنزير لفساده وفتنته متصفا بصفات قبيحة
كالخنزير۔ ويبشر سبحانه المؤمنين ان فتنة الدجال للدين وان كانت عظيمة مهيبةً لكنها تدفع
بهلاكة الدجال وتبابه واشار سبحانه بقوله سيصلى ناراً الى ان فتنة الدجال لاتعدم من الارض كلها
فى زمن حيٰوة نبى الله المصطفیٰ بل تدفع فى زمن المسيح الموعود وهذه الاشارة تفهم من لفظ سيصلى
فان صيغته للمستقبل بقرينة السين الداخل على المضارع والحال يدل على البعث الاول الاستقبال
على البعث الثانى كما يصدق هذا الامر ما جاء فى الاخبار النبويه فان الدجال يقتله
المسيح الموعود ويدفع فتنته بالحربة السماوية واما امرءته حمالة الحطب فانها بعد
هلاكة ابى لهب تسيى كالاماء لقبول الحق والهدىٰ كما اشير فى قوله فى جيدها حبل من
مسد والمسد ليف من النخيل والنخيل من اشجار العرب خاصةً واشير بحبل من مسد
الى حبل دين الله الاسلام۔ وقال سبحانه واعتصموا بحبل الله جميعًا۔ واشير بقوله فى جيدها
حبل الى ان الدجال يكون مضطرا۔ لقبول دين الحق باضطرار طبيعة بعد ظهور الايات
وانواع العذاب۔ ففى هذه السورة انذار الدجال فتنة الدين وبشارة لدجال فتنة
الدنيا المآله۔ وهكذا ورد فى الاخبار فقيل فى دجال انه يقتل وقيل فى اٰخر انه يذوب
كما يذوب الملح فى الماء فالذى يقتل فهو مصداق ما قيل تبت يداه وتب۔ والذى

يذوب كما يذوب الملح فى الماء فهو مصداق ماقيل وامرءته حمالة الحطب فى جيدها حبل من مسد -
وذوبان الدجال اشارة الى انه لحق باهل الحق بعد قبول دين الحق حتى يكون منهم كالملح الذى
يذوب فى الماء ويختلط به حتى لا يرى بالحالة الاولى وقتل الدجال على صورتين احداهما ان يكون قتله
واهلاكه باهلاك دينه الباطل باحقاق الحق وابطال الباطل - لقوله تعالى ليهلك من هلك عن بينة
ويحيي من حيّ عن بينة والثانية ان يقتل بظهور انواع العذاب للاهلاك بعد اتمام الحجة عليه لقوله تعالى
ماكنا معذبين حتى نبعث رسولا - والمراد ببعث الرسول الذي يتم الحجة على الدجال بعث المسيح الموعود
وهو الذي ظهر بين اظهرنا حكماً وعدلاً فاتم الحجة على الدجالين المكذبين فمنهم من اٰمن به ومنهم من كفر
فظهر العذاب لاهلاك الظالمين بانواعه فبئس للظالمين بدلاً ؛

وهذا ما يتعلق من تفسير هذه السورة بما قبلها من سورة النصر واما ما يتعلق بما بعدها من
سورة الاخلاص فنذكره الان فاعلموا الماذكر الله سبحانه بعد سورة النصر فتنة الدجال فى سورة
تبت يدا وبشر تبسيابه مع انذار فذكر بعد سورة تبت يدا ردّا على الدجال وابطالا لدينه الباطل
سورة الاخلاص وسمّيت الاخلاص لانها تخلص من قرءها بالاخلاص او اعتقد بتعليمها من فتنة الدجال
وشرك المشركين واخبر سبحانه بسورة الاخلاص عن فتنة الدجال وعلاج فتنة واشار بروده عليه ان
فتنة الدجال تكون فى حقه سبحانه خلافاً لتوحيده وخلافاً لاحديته وصمديته وخلافاً لشانه لم يلد
ولم يولد ولم يكن له كفوا احد . فقال سبحانه ذرباً وامر تعليماً وردّا عليه قل هو الله احد الخ فقوله تعالى هو الله
احد ردّ لما اعتقد الدجال ان الله ليس باحد بل هو ثالث ثلثة وقوله الله الصمد ردّ لما قيل ان الله هو المسيح
وهو كان ياكل الطعام وكان يحتاج الى جميع الحوائج البشرية وقوله لم يلد ردّ لما قيل ان الله اب وقوله لم
يولد ردّ لما قيل ان الله هو المسيح والمسيح ابن الله وقوله لم يكن له كفوا احد - ردّ لما قيل ان الله له كفو لكونه
ابا وابنا ولكونه ثلثة فسورة الاخلاص تعليم عجيب لدفع وساوس الشرك وفتنة الدجال ومحلها بترتيب الوضع
بعد سورة تبت يدا لغاية التناسب - فثبت ان سورة تبت يدا بترتيبها فى سلسلة السور تتعلق
بمعانيها ومطالبها بما قبلها ومابعدها خلافاً لما يقولون ان القرأن لا يوجد فى سوره ومضامينه
ترتيب ولا ربط واسلوب فلينظروا كيف بدا وظهر فيما بيّنّا من حسن اساليب الكلام وابلغ الترتيب
والنظام فلا شك انه لمعجزة واٰية من اٰيات ربنا الكبرى لاراءة شان المتنزل بالعظمة
والعزة القعسا والحمد لله على ذلك - واٰخر دعوانا ان الحمد لله ربنا الاعلى ؛

رسالہ ہندو راج کے منصوبے کے متعلق سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا

ارشاد

میاں فضل حسین صاحب نے مجھ سے اجازت لیکر بلکہ میری پسندیدگی اور خواہش کے مطابق ایک کتاب "ہندو راج کے منصوبے" لکھی ہے افسوس کہ اسوقت تک کم فرصتی کی وجہ سے میں اسے پڑھ نہیں سکا۔ اب اس کتاب کو دیکھنے کے بعد میں اس کے متعلق اپنی رائے لکھتا ہوں۔ کہ یہ کتاب نہایت محنت سے لکھی گئی ہے۔ اور اسمیں اس امر کو واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ ہندوؤں کے تمام لیڈر مذہبی ہوں کہ سیاسی صرف اس امر کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کہ ہندوستان میں ویدک راج جاری کیا جائے۔ تبلیغ اسلام کو جبراً روکا جائے۔ اور مسلمانوں کو تنگ کر کے یا اس ملک سے نکال دیا جائے یا انہیں شدھ کر لیا جائے۔ اس کتاب میں اس قدر حوالہ جات ہندوؤں کے درج کئے گئے ہیں۔ کہ انکو پڑھکر اس حقیقت سے انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ ہندوستان سے اسلام کو مٹا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ میرے نزدیک یہ کتاب اس قابل ہے۔ کہ ہر مسلمان اپنے بچوں کو اس کا مطالعہ کرائے۔ اور اس کے مطالب یاد کرا دے۔ تاکہ آئندہ نسلیں ہندوؤں کے منصوبوں سے آگاہ ہو جائیں۔ سکولوں اور کالجوں کے مسلمان طلباء میں اس کی اشاعت بہت مفید ہو سکتی ہے۔ اور ضرورت ہے۔ کہ بنگالی۔ سندھی۔ مالاباری۔ پشتو۔ اور فارسی میں اس کا ترجمہ کر کے اس کے مطالب سے تمام ہندوستانی مسلمانوں کو واقف کیا جائے۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح ثانی)

قیمت: فی نسخہ ۶/ر۔ ایک روپیہ کی تین۔ ۲۵ کی قیمت سے۔ پچاس کی ... سو کی قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ:۔ بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان پنجاب

سرمۂ نور نظر چشم بصارت کے لئے
نور آنکھوں کا نذر ہے تیری خدمت کے لئے

قادیان کا قدیمی اور مشہور عالم اور بے نظیر تحفہ

(رجسٹرڈ)

سرمہ نور

فی تولہ ۲ روپیہ
چھ ماشہ ایک روپیہ

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کا نسخہ ہے، اور واقعی اسم بامسمیٰ ہے

دھند۔ غبار۔ جالا۔ پھولا۔ ککرے۔ سرخی۔ خارش۔ جلن۔ پانی بہنا۔ ضعف بصر۔
رتوندا۔ سلاق۔ پڑبال وغیرہ وغیرہ

غرض کل امراض چشم کا واحد علاج ہے

جو لوگ متواتر استعمال کرینگے وہ بڑھاپے میں بھی بینائی کو جوانوں سے بہتر پائیں گے۔ تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ ہر گھر میں سرمہ نور کا موجود رہنا روزانہ ضروریات میں سے ہے سرمہ نور رجسٹرڈ صرف شفاخانہ رفیق حیات قادیان ہی سے مل سکتا ہے۔ اس لئے خریدتے یا آرڈر دیتے وقت شفاخانہ رفیق حیات کا پتہ یاد رکھیں

ایک تازہ شہادت

جناب سجادہ نشین پیر سید علی احمدؐ صاحب معافیدار رجاوُلی تحریر فرماتے ہیں کہ سرمہ نور اکسیر کا حکم رکھتا ہے میری چھوٹی بیوی کو عرصہ سے آشوب چشم کی شکایت تھی طرح طرح کے قیمتی سرمے اور علاج بھی کیا گیا مگر چنداں مفید ثابت نہوا۔ آپکے سرمہ نور سے صرف ۲ ہفتہ میں الحمد للہ کلی آرام آگیا۔ اب احتیاط کے طور پر گھر میں رکھتے ہیں اسلئے بھی کہ بچوں کا گھر ہے ذرا کسی بچہ کی آنکھ دکھنے آئی یا تکلیف محسوس ہوئی تو لگا دیا۔ آرام آجاتا ہے میں نے اپنے کاشتکاروں اور دوستوں کو سرمہ نور بطور تحفہ دیا انہوں نے بیحد تعریف اور دوبارہ فرمائش کی بعض کو سرمہ بھجوا دیا اور سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تم آپکو اس کا بہت اجر دے

ملنے کا پتہ

حکیم عطا محمد شفاخانہ رفیق حیات قادیان (پنجاب)

(ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور۔ بٹالوی پرنٹر و پبلشر چھپکر قادیان سے شایع ہوا)